Surah Nisa (Ayat 134-145)

Fi Zilaal Quran:

134: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝

جو شخص محض ثواب دنیا کا طالب ہو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے پاس ثواب دنیا بھی ہے اور ثواب آخرت بھی اور اللہ سمیع و بصیر ہے

(آیت) "۱۳۱ تا ۱۳۴۔

قرآن کریم میں احکام و نواہی کے بیان کے بعد بار بار یہ تعقیب آتی ہے کہ اللہ زمین و آسمان کی تمام چیزوں کا مالک ہے۔ یا یہ لفظ آتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اللہ کے لیے ہے۔ یہ دونوں امور ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں اس لیے کہ جو بادشاہ اور مالک ہوتا ہے' اپنی مملکت میں امر اور نہی بھی اسی کا چلتا ہے۔ اس کی مملکت میں جو لوگ بستے ہیں وہ اس کے محکوم ہوں گے اور اس کائنات میں چونکہ اللہ وحدہ مالک ہے تو اس وجہ سے اس دنیا میں صرف اس کا حکم چلے گا اور وہی لوگوں کے لیے قانون بنانے کا حقدار ہوگا۔ دونوں امور دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔

جن لوگوں پر کتاب اتاری گئی ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کی وصیت کی ہے کہ وہ خدا سے ڈریں اور یہ وصیت اس نشاندہی کے بعد کی ہے کہ زمین اور آسمانوں کے اندر جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے اس لیے وصیت کا حق بھی اللہ کو ہے اور قانون سازی کا حق اللہ کو ہے لہٰذا اس سے ڈرو۔

(آیت) "وللہ ما فی السموت وما فی الارض ولقد وصینا الذین اوتوا الکتب من قبلکم وایاکم ان اتقوا اللہ"۔ (۴: ۱۳۱)

آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ تم سے پہلے جن کو ہم نے کتاب دی تھی انھیں بھی یہی ہدایت کی تھی اور اب مت کو بھی) (یہی ہدایت کرتے ہیں کہ خدا سے ڈرتے ہوئے کام کرو

واقعہ یہ ہے کہ جس کی حقیقی اقدار حاصل ہو لوگ اسی سے ڈرتے ہیں اور خدا ترسی ہی وہ واحد سبیل ہے جس سے "دلوں" کی اصلاح ہو سکتی ہے ۔ پھر خدا ترسی ہی وہ واحد سبیل ہے جس کے ذریعے کسی "نظام" کی اصلاح ہو سکتی ہے اور اس کی جزئیات پر عمل کرایا جا سکتا ہے۔ جو لوگ اللہ کی اس ملکیت میں اپنی حیثیت کو نہیں پہچانتے ان کو اللہ خبردار فرماتے ہیں کہ اللہ انھیں اس دنیا سے دور کر کے ان کی جگہ دوسری آبادی کو لا کر اپنی ملکیت میں بسا سکتے ہیں۔

(آیت) "وان تکفروا فان للہ مافی السموت ومافی الارض وکان اللہ غنیا حمیدا (۱۳۱) وللہ مافی السموت ومافی الارض وکفی باللہ وکیلا (۱۳۲) ان یشایذھبکم ایھاالناس ویات باخرین وکان اللہ علی ذلک قدیرا (۱۳۳) (۴: ۱۳۱تا ۱۳۳)

لیکن اگر تم نہیں مانتے تو نہ مانو آسمان وزمین کی ساری چیزوں کا مالک اللہ ہی ہے اور وہ بے نیاز ہے' ہر تعریف کا مستحق۔ اللہ ہی مالک ہے ان سب چیزوں کا جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور کارسازی کے لیے بس وہی کافی ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو ہٹا کر تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے اور وہ اس کی پوری قدرت رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو وصیت کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو' اگر وہ اللہ سے نہ ڈریں تو ان اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اور وہ سب کفر کا رویہ اختیار کرلیں تو بھی اللہ کا اس میں کچھ نقصان نہیں ہے اس لیے کہ لوگوں کے کفر کی وجہ سے اللہ کی ملکیت میں سے کوئی چیز کم نہیں ہوتی۔ (آیت) "فان للہ مافی السموت ومافی الارض"۔ (۴: ۱۳۱) (اللہ تو مالک ہے ان سب چیزوں کا جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں) اور وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ تمہیں یہاں سے چلتا کرے اور کسی اور کو لا بسائے۔ وہ جو ان کو وصیت کرتا ہے تو وہ ان کی بھلائی کے لیے کرتا ہے۔ اور ان کے حالات کو درست کرنے کے لیے کرتا ہے۔

اسلام انسان کو جس طرح اس پوری کائنات کا سرتاج قرار دیتا ہے اور انسان کی کرامت کا اعلان کرتا ہے' اور تمام زمین کی مخلوقات سے اسے برتر قرار دیتا ہے' اسی طرح اگر انسان اللہ کا کفر کرلے تو اللہ انسان کو اس کائنات کی بدترین مخلوق قرار دیتا ہے اس لیے کہ وہ اللہ کے حکم سے منہ موڑتا ہے بلکہ وہ سینہ زوری کرکے اللہ کی صفت حاکمیت میں شریک ہو کر اپنے آپ کو یہاں کا حاکم قرار دیتا ہے۔ اور وہ بغیر کسی استحقاق کے ایسا کرتا ہے۔ اسلامی تصور حیات میں یہ دونوں باتیں برابر ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے۔

یہ آیات اس تعقیب پر اختتام کو پہنچتی ہیں کہ جو لوگ صرف دنیاوی مقاصد کے لالچ میں گرفتار ہیں' ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کا فضل بہت ہی وسیع ہے۔ اللہ کے ہاں دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی ہے اور جو لوگ دنیا پر ہی نظریں جمائے بیٹھے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ اپنی نظریں ذرا اونچی کریں اور دیکھیں کہ اللہ کے ہاں دنیا وآخرت کی بھلائی ہے۔

(آیت) "من کان یرید ثواب الدنیا فعند اللہ ثواب الدنیا والاخرۃ وکان اللہ سمیعا بصیرا"۔ (۴: ۱۳۴)

(جو شخص محض ثواب دنیا کا طالب ہو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے پاس ثواب دنیا بھی ہے اور ثواب آخرت بھی اور اللہ سمیع وبصیر ہے۔)

یہ امر ایک واضح حماقت اور ایک واضح کم ہمتی ہوگی کہ انسان دنیا اور آخرت دونوں کامیابی حاصل کرسکتا ہو اور اسے دنیا اور آخرت آخرت دونوں کا اجر مل سکتا ہو اور اس کامیابی کی ضمانت اسے اسلامی نظام زندگی دے بھی رہا ہو' جو ایک واقعیت پسند عملی اور مثالی نظام ہے' لیکن وہ اس گارنٹی کے باوجود صرف دنیا ہی کی طلب کرے۔ اپنی پوری ہمت دنیا طلبی ہی میں لگادے اور بالکل اسی طرح زندگی بسر کرے جس طرح حیوان'

چوپائے اور کیڑے مکوڑے زندگی بسر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ شخص انسانوں کی طرح بسہولت زندگی بسر کر سکتا ہے اس طرح کہ اس کے قدم زمین پر چلتے ہوں اور اس کی روح آسمانوں میں سیر کرتی اور پھڑ پھڑاتی ہو۔ اور اس طرح کہ وہ ایک جاندار موجود کی طرح جو اس کرہ عرض کے اوپر طبیعی قوانین کے مطابق تک ودو بھی کر رہا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ عالم بالا کے ساتھ بھی اس کی زندگی کا ربط ہو۔

غرض یہ جزئی اور فروعی احکام پوری طرح اسلامی نظام حیات کے اصولوں کے ساتھ مربوط ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں خاندانی نظام کی بہت ہی اہمیت ہے' اس قدر اہمیت کہ ان احکام کو اس کائنات کے عظیم معاملات کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے اور ان تمام امور پر یہ تعقیب اور تبصرہ کیا گیا ہے کہ اگر تم لوگ اللہ کی ان وصیتوں کو قبول نہیں کرتے تو اللہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ تمہیں ختم کر دے اور تمہاری جگہ کوئی دوسری مخلوق آباد کر دے۔ یہ ایک نہایت ہی خطرناک تبصرہ ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نزدیک ایک خاندان کے نظام کے معاملے میں وارد ہونے والے احکام بھی اسی قدر اہم ہیں جس قدر ادیان کو دی جانے والی عظیم ہدایات کی اہمیت ہے۔

135: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ○

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو انصاف کے علمبردار اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو' اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے

: درس نمبر ۱۲۴ ایک نظر میں

یہ سبق بھی امت مسلمہ کے لیے دست قدرت کی تربیت کا ایک نمونہ ہے جس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ یہ ایک اچھی امت ہے اور جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے۔ یہ سبق بھی اس اسلامی نظام زندگی کی ایک اہم کڑی ہے جو نہایت ہی مستحکم نظام ہے۔ جس کے مقاصد اور اہداف متعین ہیں اور یہ نظام نفس انسانی کی بہتری کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ اس کے ذریعے نفس انسانی کا اس طرح علاج کیا گیا ہے کہ جس دست

قدرت نے ذات انسان کو بنایا ہے' وہی اس کی کمزوریوں کا علاج بھی کر رہا ہے۔ یہ علاج اس لیے کامیاب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی اس ممتاز مخلوق اور صنعت کے پرزے پرزے سے واقف ہے' یہ اس کی حقیقت اور ماہیت کو اچھی طرح جانتا ہے اس کے رجحانات ومیلانات سے واقف ہے اور اس کی ضروریات اور اس کے اندر پوشیدہ ترین صلاحیتوں اور کمزوریوں سے بھی آگاہی رکھتا ہے۔

اس سبق میں اسلامی نظام حیات کے اصول' نہایت ہی اٹل اصول بتائے گئے ہیں جو مستقل ہیں۔ ہر دور' ہر جگہ اور ہر زمانے کے لیے ہیں تا کہ انسانیت کو جاہلیت کی پستیوں سے بلند کر کے نہایت اونچی بلندیوں تک پہنچائے اور جہان تک انسان ترقی کر چکا ہو اس سے اسے مزید آگے بڑھائے ۔ان اصولوں کے ساتھ ساتھ اس سبق میں پہلی جماعت مسلمہ کے بھی کچھ خدوخال بیان کئے گئے ہیں جو اس قرآن کی پہلی مخاطب جماعت تھی۔ ان آیات کے آئینے کے اندر پہلی تحریک اسلامی نہایت ہی خوبصرتی کے ساتھ بحیثیت ایک انسانی جماعت نظر آتی ہے۔اس میں بشری کمزوریاں بھی نظر آتی ہیں اور اعلی پاکیزگی کا معیار بھی نظر آتا ہے۔اس جماعت کے اندر جاہلی دور کی باقیات اور فطری کمزوریاں بھی نظر آتی ہیں۔قرآن کریم اس جماعت کی تربیت کرتے ہوئے ایک ایک کمزوری کو لیتا ہے اور ان کا علاج کرتا ہے' پھر اس جماعت کو تقویت دے کر اسے ایک مثالی جماعت بنا رہا ہے۔ تلقین کی جاتی ہے کہ وہ سچائی پر جم جائیں اور راہ حق میں جدوجہد کریں اور قربانیاں دیں۔

سبق کا آغاز اس پکار سے کیا جاتا ہے جو جماعت مسلمہ کے نام ہے اسے کہا جاتا ہے کہ تم خیر امت ہو اور اس دنیا میں تمہارا ایک مقرر کردار ہے' اسے ادا کرنے کے لیے کمر باندھو اور دنیا میں عدل وانصاف کا وہ معیار قائم کرو جو انسانیات کی تاریخ کا سب سے اونچا معیار اور مثالی عدل ہو۔اور عدل قائم کرنے میں تمہارا مطمح نظر اور نصب العین ذات باری کی رضا کا حصول ہو' اور اس معاملے میں کسی اور جذبے' کسی اور خواہش اور کسی اور کے مفادات کو بھی پیش نظر نہ رکھو۔ (NAtion) مصلحت کو پیش نظر مت رکھو۔اس معاملے میں خود اپنی جماعت' اپنی حکومت اور اپنی امت اس میں خدا ترسی اور رضائے الہی کے سوا تمہارے پیش نظر کوئی اور جذبہ نہ ہو۔امت نے فی الواقعہ ایسا کیا اور اس کا ایک نمونہ ایک یہودی کے اوپر جھوٹے الزام کے واقعہ کی شکل میں خود قرآن کریم نے ریکارڈ کیا اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی کو بذریعہ وحی انصاف کرنے کی تنبیہ اور تاکید کی جس کا تذکرہ ہم تفصیلا کر آئے ہیں۔

سبق کا آغاز اس حکم سے ہوتا ہے کہ عدل کرو' مطلق اور خالص عدل کرو۔ مطلق اور خالص عدل کس قدر مشکل کام ہے' اس کو رب کائنات ہی جانتا ہے۔ جس نے انسان کو پیدا کیا۔ رب کو معلوم ہے کہ اس راہ میں کیا کیا مشکلات پیش آتی ہیں۔اللہ کو معلوم ہے کہ انسان میں کمزوری کے کیا کیا پہلو ہیں۔انسان کے جذبات اس کی ذات کے لیے اور اقارب کے لیے کمزوروں اور زبردستوں کے لیے خصوصا والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے' فقراء اور اغنیاء کے لیے' دوست اور دشمن کے لیے کیسے ہیں۔اس کے علاوہ دوسرے بیشمار جذبات اور یہ سب کے سب یا ان میں کوئی ایک بات عدل کے معاملے میں اثرانداز ہو سکتی ہے اور ان کو نظرانداز کرنا نہایت ہی مشکل کام ہے۔ یہ کام اسی طرح مشکل ہے جس طرح ایک آدمی نہایت ہی عمودی چڑھائی پر چڑھ رہا ہو اور اس میں اس کے پیش نظر صرف رضائے الہی اور حبل اللہ رہے۔ کس قدر مشکل ہے یہ کام۔

دوسری دعوت اس سبق میں یہ ہے کہ مکمل ایمان لے آؤ۔ اللہ کتابوں' ملائکہ' رسول اور یوم آخرت پر ایمان لاؤ۔ یہ ہے مکمل ایمان۔اس کے تمام اجزاء کی اپنی اپنی جگہ بہت بڑی اہمیت ہے۔ یہ تمام اجزاء مل کر ایمان کو مکمل کرتے ہیں اور انہی اجزاء سے مجموعی اسلامی تصور حیات وجود میں

آتا ہے' جو تمام دوسرے تصورات کے مقابلے میں زیادہ فوقیت رکھتا ہے' جو کسی زمانے میں انسانی معاشروں کے اندر رائج و معروف رہے ہیں۔ اسلام سے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ یہ نظریہ حیات بذات خود' ہر نظریہ سے قوی اور برتر ہے اور اس سے تمام دوسری قدریں وجود میں آتی ہیں چاہے وہ اخلاقی ہوں' اجتماعی ہوں یا تنظیمی ہوں اور جن کا عملی مظاہرہ پہلی جماعت اسلامی کی زندگی میں ہوا تھا اور آئندہ کے ادوار میں بھی جس جماعت نے اس نظام پر صحیح طرح ایمان کا اظہار کیا اور اس کے تقاضوں کو پورا کیا تو اس کی زندگی کے اندر بھی یہی تفوق اور برتری پیدا ہوئی۔ قیامت تک یہ اصول اپنی جگہ قائم رہے گا اور قیامت میں تو بہر حال اللہ کا کلمہ ہی حق اور برتر ثابت ہوگا۔ یہ ہے مفہوم اس آیت کا (آیت) " (ولن یجعل اللہ للکفرین علی المومنین سبیلا (۴ : ۱۴۱) (اللہ نے کافروں کے لیے مسلمانوں کے مقابلے میں برتری کی کوئی سبیل نہیں رکھی)۔

ان دو دعوتوں کے اب اللہ تعالیٰ منافقین پر تنقیدی حملہ شروع کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو ابھی تک اپنے نفاق کو چھپائے ہوئے ہیں اور بعض وہ ہیں جو منافق رہنے کے بعد دوبارہ کفر کا اعلان کر چکے ہیں۔ اس تنقیدی بیان میں منافقین کے مزاج ان کی قابل نفرت صورت' اسلامی صفوں کے اندر ان کی سرگرمیوں کی جو صورت حال ہے اس کی تفصیلات ان کا متلون موقف' کہ اگر مسلمانوں کو فتح ہو تو وہ ان کی چاپلوسی کرتے ہیں اور اگر اہل کفر کو فتح نصیب ہو تو یہ ان کے ہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور ہر جگہ خود اپنے آپ کو سبب فتح قرار دیتے ہیں۔ نماز کے لیے نہایت ہی بوجھل قدموں کے ساتھ جاتے ہیں۔ اور دکھاوے کے لیے پڑھتے ہیں' ان کا رویہ نہایت ہی مذبذب ہوتا ہے۔ نہ ادھر کے اور نہ ادھر کے۔

اس تنقیدی حملے کے درمیان جا بجا اہل ایمان کو بھی ہدایات دی گئی ہیں جن سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ منافقین اس وقت اسلامی صفوں میں کس طرح گھسے ہوئے تھے اور کیا کیا کارستانیاں کر رہے تھے۔ اسلامی صفوں میں منافقین کو کس قدر اثر و رسوخ حاصل تھا۔ ان حالات میں اس قسم کے تنقیدی حملے کی ضرورت اس لیے پیش آئی تاکہ اس وقت کے موجود حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے تحریک اسلامی کو قدم بقدم آگے بڑھایا جائے اور اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ منافقین سے آہستہ آہستہ دور ہوتے جائیں اور ان کے ساتھ تعلقات رکھنے سے اجتناب کریں۔ ان کی مجالس میں نہ بیٹھیں' جہاں وہ اکثر کفریہ گفتگوئیں کرتے ہیں اور اللہ کی آیات کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔ البتہ اس دور میں قرآن کریم نے منافقین کے ساتھ بائیکاٹ کا حکم تو بہر حال نہیں دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت یہ آیات نازل ہو رہی تھیں اس وقت منافقین کا جتھا بڑا مضبوط تھا اور وہ اس قدر سرگرم تھے کہ اہل اسلام کے لیے ان کا مکمل بائیکاٹ ممکن ہی نہ تھا۔

مسلمانوں کو اس تحذیر اور تنبیہ کرنے کے درمیان ہی یہ بتا دیا گیا کہ نفاق کی علامات کیا ہیں اور نفاق کا آغاز کس طرح شروع ہوتا ہے۔ تاکہ وہ خود بھی نفاق کی علامات سے اپنے آپ کو بچانے کی سعی کریں۔ سب سے پہلی ہدایت یہ دی جاتی ہے کہ تم منافقین کے ساتھ دوستی ہرگز نہ کرو اور منافقین کے ہاں اپنی عزت اور احترام بڑھانے کا لالچ نہ کرو' اس لیے کہ عزت تو صرف اللہ کے ہاں ہے۔ اللہ کو ہرگز یہ بات پسند نہیں کہ وہ

کافروں کو اہل اسلام پر برتری دے اور منافقین تو دنیا و آخرت میں ذلیل ہوں گے۔ یہ ہے ان کی تصویر ذرا ملاحظہ کرو اور پھر آخرت میں وہ دوزخ کے اندر سب سے نیچے پڑے ہوں گے۔

اس انداز میں یہ ہدایات اور تنبیہات بتلاتی ہیں کہ اسلامی نظام زندگی نفس انسانی اور اس کے اندر رچی بسی عادات کو کس طرح درست کرتا ہے اور کسی موجود عملی صورت حال کے اندر اسلام اصلاح کی کارروائی کا آغاز کس طرح کرتا ہے؟ اسلام نہایت ہی تدریج کے ساتھ کوئی تبدیلی لاتا ہے اور آخر کار کسی موجودہ صورت حال کو یکسر تبدیل کر کے اس کی جگہ نہایت ہی جدید صورت حالات لے کر آجائے ہے۔ نیز اس سے اس بات کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ اس دور میں مسلمانوں کے حالات کیا تھے، کفر و نفاق کے محاذ ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح معاون تھے اور وہ کس طرح جماعت مسلمہ اور دین اسلام کے خلاف گٹھ جوڑ کئے ہوئے تھے۔

ان تمام تبصروں کے اندر غور کرنے سے یہ بات نظر آتی ہے کہ وہ کیا عظیم معرکہ تھا۔ جس کے اندر قرآن کریم نے جماعت مسلمہ کو ڈال دیا تھا۔ اور اس معرکہ میں ڈال کر قرآن کس نظام اور منہاج کے مطابق جماعت مسلمہ اور نفس انسانی کی قیادت اور راہنمائی کر رہا تھا۔ یہ معرکہ وہی معرکہ ہے جو ہر زمان و مکان کے اندر اسلام اور جاہلیت کے درمیان برپا رہا ہے اور کبھی ختم ہونے میں نہیں آتا۔ وسائل بدل سکتے ہیں اور چہرے بدل سکتے ہیں لیکن اسلام اور جاہلیت کے درمیان جو جنگ ہے اس کی نوعیت آج بھی وہی ہے جو قرن اول میں تھی۔ نیز ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امت مسلمہ کی سرگرمیوں میں قرآن کریم کی قیادت اور راہنمائی کو کس قدر اہمیت حاصل ہے۔ قرآن کریم یہ قیادت جس طرح حضور کے درمیان جو جنگ ہے اس کی نوعیت آج بھی وہی ہے جو قرن اول میں تھی۔ نیز ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امت مسلمہ کی سرگرمیوں میں قرآن کریم کی قیادت اور راہنمائی کو کس قدر اہمیت حاصل ہے۔ قرآن کریم یہ قیادت جس طرح حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دور میں کرتا تھا' وہی راہنمائی اور قیادت وہ آج بھی کرتا ہے۔ قرآن کریم کسی ایک دور یا کسی ایک نسل کی راہنمائی کے لیے تو آیا ہی نہیں ہے' یہ تو اس امت کا قائدہ ہے' اس کا مرشد ہے اور اس کا ہادی ہے اور ہر دور اور ہر نسل کے لیے ہے۔

اور اس سبق کے آخر میں ایک لمحہ فکریہ! یہ کہ اللہ کو کیا پڑی ہے کہ وہ لوگوں کو خواہ مخواہ عذاب دے۔ اس کا مطالبہ تو صرف یہ ہے کہ ایمان لاؤ اور اللہ کا شکر بجالاؤ۔ اگر لوگ ایمان نہیں لاتے اور شکر گزار بندے نہیں بنتے تو اسے کوئی پروا نہیں۔ وہ تو ان کے ایمان اور شکر گزاری دونوں سے بے نیاز ہے۔ اللہ جو ہدایات دے رہا ہے وہ تو ان کی اصلاح کے لیے ہے۔ ان کو نرمی دینے کے لیے ہیں تاکہ وہ اس بات کے مستحق ہو جائیں کہ ان کو جنت میں انعامات ملیں۔ اگر وہ ان ہدایات کی خلاف ورزی کریں گے اور الٹے پاؤں پھریں گے تو وہ خود عذاب جہنم کے مستحق ہو جائیں گے۔ اس میں صرف ان ہی کا ذاتی نقصان ہے اور منافقین تو اس جہنم کے بھی سب سے خطرناک "درک اسفل" میں ہوں گے' سب سے نیچے والے درجے ہیں۔

: درس نمبر ۴۲ تشریح آیات

۱۳۵۔۔تا۔۔۱۴۷

(آیت) " نمبر ۱۳۵۔

یہ اہل ایمان کو خصوصی پکار ہے۔اس پکار میں ان کے لیے ایک جدید لقب اور ایک نئی صفت کو استعمال کیا گیا ہے اور اس لقب اور صفت میں وہ بالکل منفرد ہیں۔اور الذین امنوا کی روح بدل گئی ہے۔ان کے تصورات بالکل نئے ہوگئے ہیں۔ان کے اصول اور مقاصد بدل کر نئے ہوگئے ہیں ۔وہ اس جدید انقلابی مہم کے راہنما بن گئے ہیں اور ان کے کاندھوں پر عظیم ذمہ داریاں عائد کر دی گئی ہیں' اب وہ پوری انسانیت کے لیے پاسبان ونگہبان ہیں۔وہ لوگوں کے درمیان اب فیصلہ کرنے والے ہیں۔اس لیے یہاں (آیت) " (یایھا الذین امنوا) کے الفاظ نہایت ہی اہمیت کے حامل ہیں۔یعنی اس صفت ایمان ہی کی وجہ سے ان پر عالمی قیادت کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے اور پورے عالم کی قیادت کرنا گویا تقاضائے ایمان ہے اور صفت ایمان ہی کے تقاضے کے طور پر مسلمان اس قیادت کے مقام کا چارج لینے کے لیے یہ تیاری کر رہے تھے۔

اسلامی منہاج تربیت کی یہ ایک نہایت ہی موثر جھلکی ہے۔اور امت مسلمہ کو ایک نہایت ہی بھاری ذمہ داری کا چارج دینے سے قبل ہی یہ جھلکی دکھائی گئی اور وہ بھاری ذمہ داری یہ ہے۔

(آیت) " یایھا الذین امنوا کونوا قومین بالقسط شھداء للہ ولو علی انفسکم اوالوالدین والاقربین ان یکن غنیا او فقیرا فاللہ اولی بھما"۔ (۴ : ۱۳۵)

اے لوگو ! جو ایمان لائے ہو انصاف کے علمبردار اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری (اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے

یہ امانت اور ذمہ داری یہ تھی کہ تم نے عدل قائم کرنا ہے اور یہ عدل مطلق ہوگا جس کا علمبردار تم نے بننا ہے۔ہر حال اور ہر میدان میں تم نے انصاف کرنا ہے۔ایسا عدل جس کے ذریعے ظلم اور عدوان کی خود بخود نفی ہو جائے اور پورے کرہ ارض پر کہیں بھی ظلم نہ رہے اور یہ ایسا عدل ہو کہ ہر حقدار کو اس کا حق ملے۔اس حق رسیدگی میں مومن اور غیر مومن دونوں برابر ہوں جیسا کہ یہودی کے قصے میں واضح طور پر کہا گیا ہے۔ اس میں رشتہ دار اور غیر رشتہ دار سب برابر ہوں۔۔دوست اور دشمن سب برابر ہوں۔غنی اور فقیر کا درجہ ایک ہی ہو۔

(آیت) " (کونوا قومین بالقسط شھداء للہ) (انصاف کے علمبردار اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے بنو)

یہ انصاف اور شہادت صرف اللہ کے لیے ہو اور اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہو اور شہادت نہ ان کے لیے دی جائے جن کے حق میں دی جارہی ہو اور نہ ان کی وجہ سے دی جائے جن کے خلاف دی جارہی ہے۔یہ شہادت نہ کسی فرد اور نہ کسی جماعت کے مفادات کے لیے ہو اور نہ شہادت ان

حالات سے متاثر ہو کر دی جائے جو اس وقت موجود ہوں یا مقدمہ زیر بحث پر اثر انداز ہو رہے ہوں خالصتا اللہ کے لیے اور خالصتا اللہ کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے' صرف اس کی رضا کے لیے دی جائے اور ایسے حالات میں کہ کوئی میلان' کوئی رجحان' کوئی مصلحت اور کوئی خواہش اسے متاثر نہ کر رہی ہو۔ نہ کسی کا لحاظ رکھا جا رہا ہو۔

(آیت) "ولو علی انفسکم اولوالدین والاقربین"۔ (۴: ۱۳۵)

(اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔)

یہاں اسلامی نظام نفس انسانی کو خود اس کے اپنے خلاف مسلح کر رہا ہے۔ اپنے جذبات کے ساتھ' اپنی ذات کے خلاف' اپنے والدین کے خلاف اور اپنے رشتہ داروں کے خلاف' اور یہ نہایت ہی دشوار مرحلہ ہے کہ کوئی اپنی ذات کے خلاف فیصلہ کرے۔ محض زبانی جمع خرچ تو آسان ہوتا ہے لیکن عملا ایسا کرنا نہایت ہی مشکل ہوتا ہے۔ انسان ذہنی لحاظ سے اس کے بارے میں سوچ تو سکتا ہے کہ ایسا ہونا چاہیے مگر عمل دشوار ہوتا ہے اور اس بات کی اصل مشکلات کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب انسان عملا یہ کام کرے۔ اس کے باوجود کہ یہ مشکل کام ہے' اسلامی نظام نفس مومنہ کو تقوی کے ذریعے خود اپنی ذات کے خلاف مسلح کر رہا ہے کہ وہ اس خطرناک تجربے میں کود پڑے' اس لیے کہ دنیا کے اندر عدل و انصاف کا یہی معیار ہونا چاہیے کہ کوئی اپنی ذات کے خلاف بھی فیصلہ کر گزرے اگر حق و انصاف اس کا تقاضا کرتے ہوں۔ اور کچھ لوگ یہ فیصلہ عملا کر کے دکھائیں۔

اس کے بعد نفس انسانی کو اپنے فطری اور اجتماعی شعور کے خلاف بھی مسلح کیا جاتا ہے کہ جس شخص کے حق میں یا خلاف گواہی دی جا رہی ہو وہ غریب ہو۔ اگر وہ غریب ہے تو مشکل یہ ہوتی ہے کہ کوئی رحمدل انسان اس کے خلاف شہادت دینا گواہی دی جا رہی ہو وہ غریب ہو۔ اگر وہ

غریب ہے تو مشکل یہ ہوتی ہے کہ کوئی رحمدل انسان اس کے خلاف شہادت دینا از روئے رحمدلی' پسند نہیں کرتا اور یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی کمزوری کی وجہ سے اس کے حق میں شہادت دے۔ یا کسی اجتماعی مرتبہ و مقام کی وجہ سے یا کسی سوسائٹی کی طبقاتی منافرت کی وجہ سے کوئی کسی زیردست کے ساتھ نفرت کرتا ہو یا اگر مد مقابل غنی ہو تو اس کی وجاہت کا لحاظ رکھے اور اس کے خلاف شہادت نہ دے۔ جاہلیت کے تمام نظاموں میں ایسا ہوتا رہا ہے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک گواہ ایک مالدار شخص کے ساتھ نفرت کرے اور اس کی مالداری اور برتری اسے پسند نہ ہو اور اس وجہ سے وہ شہادت حق نہ دے بلکہ مالدار کے خلاف شہادت دے دے۔ یہ تمام فطری میلانات ہوئے اور جب عملا کسی کو واسطہ پڑتا ہے تو انصاف اور شہادت کے وقت یہ اپنا وزن انسان پر ڈالتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے تمام امور کو لے لیا کہ ذات ہو' اقرباء ہوں' غریب ہو یا امیر تم شہادت حق دو۔

(آیت) "ان یکن غنیا او فقیرا فاللہ اولی بھما"۔ (۴: ۱۳۵) (فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے) یہ نہایت ہی مشکل اور بھاری کام ہے۔ اسلام نے اہل ایمان کو عملی زندگی میں ڈالا اور اسے اس قدر بلندی تک پہنچایا کہ انھیں پوری انسانیت نے دیکھ لیا کہ اسلام نے اس کرہ ارض پر عالم انسانیت کے اندر یہ ایک عظیم معجزہ دکھایا تھا۔ یہ ایک ایسا معجزہ تھا کہ صرف اسلامی نظام کے سایہ ہی میں رونما ہو سکتا تھا۔

(آیت) "فلا تتبعوا الھوی ان تعدلوا"۔ (۴: ۱۳۵) (لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو) خواہشات نفسانیہ کی کئی اقسام ہوتی ہیں جن میں سے بعض کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ ذات کی محبت، اہل و عیال کی محبت، رشتہ داروں کی محبت، کسی فقیر کے ساتھ رحمدلی، (شہادت کے وقت) کسی غنی کی رعایت اور وجاہت کا لحاظ، کسی امیر یا فقیر سے نفرت وغیرہ سب خواہشات نفسانیہ ہیں۔ خاندان، قبیلے، قوم، وطن اور حکومت کی طرفداری (شہادت کے وقت) دشمن سے نفرت اگرچہ دین کے دشمن ہوں۔ غرض خواہشات کی بیشمار قسمیں اور رنگ ہیں۔ ان تمام خواہشات سے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے متاثر ہونے کو پسند نہیں کرتے۔ اور اس تاثر کے تحت انصاف اور شہادت حق سے باز رہنے سے منع کرتے ہیں۔ سب سے آخر میں اس بات پر متنبہ کیا جاتا ہے کہ شہادت کے اندر تحریف ہرگز نہ کرو اور شہادت سے منہ بھی نہ پھیرو۔

(آیت) "وان تلوا او تعرضوا فان اللہ کان بما تعملون خبیرا"۔ (۴: ۱۳۵) (اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔)

اس معاملے میں صرف یہ یاد دہائی کرائی جاتی ہے کہ تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے تاکہ اہل ایمان کے اندر یہ تاثر پختہ ہو جائے کہ اگر انھوں نے ایسا نہ کیا تو اس کا انجام بہت ہی برا ہوگا تاکہ ان کا دل کانپ اٹھے اس لیے کہ

قرآن کریم کی ان آیات کے مخاطب اہل ایمان ہی تو ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ جب عبداللہ ابن رواحہ (رض) کو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خیبر کی محصولات کی وصولی کے لیے بھیجا (یاد رہے کہ ان کے ساتھ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نصف محصولات پر فیصلہ کیا تھا) اور وہ فتح خیبر کے بعد وہاں گئے تو یہودیوں نے ان کو اس امر کے لیے رشوت دینا چاہی کہ وہ ان کے ساتھ نرمی کریں تو انھوں نے یہودیوں سے کہا: "خدا کی قسم میں تو ایک ایسے شخص کا نمائندہ ہوں جو اس پوری دنیا سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔ خدا کی قسم تم کو میں بندروں اور خنزیروں سے بھی زیادہ برا سمجھتا ہوں لیکن حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت اور تمہاری نفرت مجھے اس بات پر آمادہ نہیں کر سکتی کہ میں تمہارے درمیان عدل کے سوا کچھ اور کروں"۔ اس پر یہودیوں نے کہا کہ ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے زمین و آسمان کا نظام قائم ہے۔

عبداللہ ابن رواحہ (رض) مدرسہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تعلیم یافتہ تھے' اور ان کی تعلیم وتربیت ربانی منہاج پر ہوئی تھی۔ وہ انسان تھے اور پورے انسانی جذبات کے ساتھ کسی عدالت کی کرسی پر بیٹھے اور کامیاب رہے۔ اور ان کے سوا دوسرے بھی کچھ کم نہ تھے جنھوں نے اسلامی نظام کے زیر سایہ معجزہ دنیا کو کر کے دکھایا۔

سالوں پر سال گزرتے رہے۔ صدیاں بیت گئیں اور یہ دور بہت دور چلا گیا ہے اور لائبریریاں فقہ اور قانون کی کتابوں سے بھر گئی ہیں۔ قانونی ضابطوں اور انصاف کے رولز ریگولیشن کی بہتات ہو گئی اور قانون اور انصاف کے محکمے اور وزارتیں تشکیل دے دی گئیں۔ اور دماغ عدل وانصاف کا نام سن سن کر پھر گئے۔ دنیا میں عدل کرنے کے بارے میں طویل ترین تقاریر اور مقالات پڑھے جانے لگے۔ عدل وانصاف کے سلسلے میں کئی نظریات پیدا ہوئے اور کئی تنظیمیں وجود میں آئیں اور کانفرنسیں ہوئیں لیکن وہ حقیقی عدل کہاں ہے؟ اس کا ذائقہ کسی نے نہیں چکھا۔ یہ عدل لوگوں کے ضمیروں اور ان کی زندگی میں عنقا ہی رہا۔ اور یہ عدل ان انتظامات کے باوجود اس اعلیٰ معیار تک نہ پہنچ سکا جو خیر القرون کا طرہ امتیاز تھا۔ اس کا حقیقی وجود اگر کہیں تھا تو صرف اسلامی نظام کے دور میں تھا۔ اس مختصر دور میں عدل کا گراف اس قدر بلندی تک پہنچا اور نبوت اور خلافت راشدہ کے بعد اگر وہ کہیں ملا تو صرف اسلامی معاشرے کے اندر ملا اور صرف ان دلوں میں ملا جن میں اسلام جاگزین تھا اور ان افراد اور ان سوسائٹیوں میں ملا جن کی تربیت اسلامی نظام کے زیر سایہ ہو چکی تھی۔ جو یقیناً ایک واحد اور مثالی عادلانہ نظام ہے۔

وہ لوگ جو آج کل جدید سے جدید عدالتی نظام تشکیل دیتے ہیں' عدل وانصاف کے لیے جدید سے جدید ذرائع استعمال کرتے ہیں اور عدلیہ کے لیے نہایت ہی پیچیدہ طریقہ کار طے کرتے ہیں' ان لوگوں کو چاہیے کہ وہ ان امور کو بھی مدنظر رکھیں جو ہم نے اوپر دیئے ہیں۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ طریقہ کار پیچیدہ ہے اور یہ نہایت ہی منظّم عدالتی ڈھانچے اس سادہ اور نہایت ہی ابتدائی انتظامات سے زیادہ مفید ہوں گے جو اسلامی دور میں اختیار کئے گئے تھے۔ یہ جدید لوگ جن کے ہاتھوں میں عدلیہ کا اہتمام ہے' وہ سمجھتے ہوں گے کہ وہ بہت ہی کامیاب ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

یہ ایک وہم ہے اور یہ وہم اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ لوگ ظاہری حجم کو دیکھ کر حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ اشیاء کی حقیقت ان کے ظاہری حجم سے معلوم نہیں ہوتی۔ یہ اسلامی نظام ہی ہے جو ان سادہ حالات کے اندر اس قدر بلند معیار تک پہنچا اور آج بھی اسلام ہی ہے جو اس سطح تک عدل کے معیار کو پہنچا سکتا ہے' بشرطیکہ اسے اختیار کیا جائے۔

لیکن اس کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ ہم جدید ترقی یافتہ دور میں نظام عدالت کے جدید انتظامات اور ضابطہ ہائے دیوانی اور فوجداری سے فائدہ نہ اٹھائیں یا محکمہ انصاف کی جدید تنظیم اور ترقی یافتہ اشکال کو ختم کر کے ان کی جگہ خلافت راشہ کی سادہ شکل جاری کر دیں۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ

اصل مقصد شکل اور تنظیم نہیں ہے بلکہ اصل مطلوب وہ روح ہے جو ظاہری شکل کے اندر کارفرما ہوتی ہے چاہے اس کی ظاہری شکل اور جسامت جو بھی ہو اور وہ نظام کیسے ہی خیالات اور کیسے ہی زمان و مکان میں ہو۔

136: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ○

اے لوگو جو ایمان لائے ہو' ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور اس کتاب پر جو اس سے پہلے وہ نازل کر چکا ہے۔ جس نے اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز آخرت سے کفر کیا اور گمراہی میں بھٹک کر بہت دور نکل گیا

(آیت) " نمبر ۱۳۶۔

یہ ایک دوسری پکار ہے' جو صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لا چکے ہیں اور یہاں اس صفت اور لقب کے ساتھ ان کو آواز دی گئی ہے جو ان کو ان کے ارد گرد پھیلی ہوئی جاہلیت سے ممتاز کرتی ہے۔ یہ صفت ان کے واجبات و فرائض کا تعین کرتی ہے اور ان کو اس منبع اور ذریعے سے ہے جس ماخذ سے وہ تمام قوتیں اور ہمتیں حاصل کرتے ہیں۔ (Source) مربوط کرتی ہے جو ان کی قوت اور برتری کا اصل ماخذ

(آیت) " یایھاالذین امنوا امنوا باللہ ورسولہ والکتب الذی نزل علی رسولہ والکتب الذی انزل من قبل (۴ : ۱۳۶) (اے لوگو جو ایمان لائے ہو' ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور اس کتاب پر جو اس سے پہلے وہ نازل کر چکا ہے۔)

یہاں ایمان کے عناصر ترکیبی کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ وہ امور ہیں جن کا ہر شخص کے ایمان اور عقیدے میں موجود ہونا ضروری ہے۔ گویا یہ وہ اساس ہے جس پر ایمان کے اعتقادی تصورات قائم ہوتے ہیں۔ اللہ پر ایمان اور رسولوں پر ایمان انسان کو اس ذات سے مربوط کر دیتا ہے جس نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اللہ نے پھر رسول کو بھیجا ہے تاکہ وہ انسان کو ہدایت دے ایمان بالرسالت میں یہ امر شامل ہے کہ رسول اللہ نے اللہ کی جانب سے جو پیغام دیا ہے وہ صحیح دیا ہے۔

ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت کا لازمی نتیجہ صدق ایمانی ہے۔ اللہ نے جو کتاب رسول کے ذریعہ ارسال کی ہے وہ بالکل سچی ہے۔ اس کتاب کے اندر اللہ نے انسانوں کو زندگی بسر کرنے کے تمام طریقے بتائے ہیں اور یہ کتاب تمام اہل ایمان کے درمیان ایک مشترکہ رابطہ ہے اور انسانوں کے اس پوری کتاب کو بطور ہدایت لینا ہے۔ یہ جائز نہیں کہ اس میں سے بعض امور کو لے لیا جائے اور نافذ کیا جائے اور اس کے بعض حصوں کو چھوڑ دیا جائے۔

ایمان کے اساسی عناصر میں تمام کتب سابقہ پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔اس لیے کہ سابقہ انبیاء بھی اللہ کے رسول تھے اور وہ کتب بھی اللہ کی کتابیں تھیں اور ان سب میں جو نظام زندگی تجویز ہوا تھا وہ اسلام ہی تھا۔سب کی تعلیم یہ تھی کہ اللہ ہی الہ ہے الوہیت کے تمام خصائص کے اندر اس کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں ہے اور سب کی تعلیم یہ تھی کہ اس نظام زندگی کی اطاعت اور نفاذ واجب ہے اور اللہ کی وحدانیت کے عقیدے کا یہ تقاضا بھی ہے کہ یہ کتب اپنی تحریف سے قبل سب کی سب اللہ کی طرف سے تھیں۔ان میں ایک ہی نظام درج تھا اور بشر کے بارے میں سب کے اندر اللہ ہی کا ارادہ درج تھا۔ایک ہی راستہ تھا جو صراط مستقیم تھا اور باقی تمام راستے اس کے ارد گرد ناقص اور ٹیڑھے تھے۔

تمام کتابوں پر ایمان لانے کا مقصد یہ ہے کہ دراصل تمام کتب ایک ہی کتاب ہے جو الکتاب ہے۔اور یہ وحدت فکر صرف امت مسلمہ کی خصوصیت ہے۔اس کا تصور یہ ہے کہ تمام کتب سماوی ایک کتاب ہے' تمام ادیان سماوی ایک دین ہے ان کے اندر بیان کردہ بابطہ ایک نظام ہے اور طریق کار بھی ایک ہے۔یہی تصور حقیقت الوہیت کے ساتھ حقیقی لگا کھاتا ہے اور یہی بشریت کے لیے بھی درست ہے۔یہ تصور ثابت کرتا ہے کہ سچائی ایک ہوتی ہے اور سچائی میں تعدد ممکن نہیں ہے۔اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ گمراہی ہے۔(آیت) " (فماذا بعد الحق الا الضلال) ایمان لانے کا حکم دینے کے بعد ایک سخت تنبیہ آتی ہے یہ کہ ان عناصر ایمان میں سے کسی کا انکار ہر گز قابل برداشت نہیں ہے اور منفی بیان کے اندر بھی عناصر ایمان کی پوری تفصیل دے دی گئی۔

(آیت) " ومن یکفر باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر فقد ضل ضلا بعیدا (۴ : ۱۳۶) (جس نے اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز آخرت سے کفر کیا اور گمراہی میں بھٹک کر بہت دور نکل گیا) پہلی آیت میں ایمان باللہ اور ایمان بالکتب اور ایمان بالرسل کا ذکر کیا گیا اور ملائکہ کا ذکر نہ تھا۔ظاہر ہے کہ اللہ کی کتابوں میں ملائکہ اور ذکر آخت دونوں آجاتے ہیں۔اور کتابوں پر ایمان لانے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ فرشتوں اور یوم آخرت پر ایمان لایا جائے لیکن اس دوسری آیت میں ان کا ذکر کر دیا گیا' اس لیے کہ کفر کے بعد تہدید اور وعید آتی ہے اور عذاب سے ڈرایا جاتا ہے۔جس کی تصریح اور وضاحت ضروری تھی تاکہ کل یہ کوئی نہ کہے کہ قیامت اور ملائکہ کا ذکر علی التخصیص نہ تھا۔اس آیت میں " ضلال بعید " کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ راہ گمراہی میں یہ لوگ اس قدر دور نکل گئے ہیں کہ اب ان کا راہ ہدایت پر آنا ممکن نہیں ہے اور نہ اس بارے میں ان سے امید کی جاسکتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ جو شخص اللہ کا منکر ہے' حالانکہ ذات باری پر ہر شخص ذاتی اور طبیعی طور پر ایمان لاتا ہے بلکہ ہر شخص کی فطرت اس پر ایمان لاتی ہے انکار خدا کے بعد وہ ملائکہ' کتب' یوم آخرت کا انکار کرتا ہے تو وہ درحقیقت ذات باری کے انکار ہی کو آگے بڑھاتا ہے۔ایسے شخص کی اصل فطرت فساد' تعطل اور خرابی کا شکار ہو چکی ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ایسے کفر کے لیے ضلال بعید کا لفظ استعمال کیا گیا۔

مسلمانوں کو صفت ایمان سے پکار کر دو بار آواز دینے کے بعد اب منافقین پر حملہ شروع ہو جاتا ہے اور یہ حملہ اس وقت ان کے جو حقیقی حالات تھے ان کے ذکر سے شروع ہوتا ہے ان کا یہ موقف ایسا ہے جو آج کل کے منافقین کے ساتھ بالکل ملتا جلتا ہے۔

137 : اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا لَّمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ وَلَا لِیَہۡدِیَہُمۡ سَبِیۡلًا ۙ

رہے وہ لوگ جو ایمان لائے' پھر کفر کیا' پھر ایمان لائے' پھر کفر کیا' پھر اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے تو اللہ ہر گز ان کو معاف نہ کرے گا اور نہ کبھی ان کو راہ راست دکھائے گا

(آیت) " نمبر ۱۳۷۔

وہ کفر جو ایمان سے پہلے ہو' اس کے آثار کو ایمان بالکل مٹا دیتا ہے جس شخص نے کبھی روشنی دیکھی ہی نہ ہو وہ اگر اندھیرے میں رہتا ہے تو وہ معذور ہے۔ لیکن ایمان کے بعد کفر کا رویہ اختیار کرنا اور بار بار ایسا کرنا کبیرہ گناہ ہے' اس قدر بڑا گناہ کہ اللہ تعالیٰ ہر گز اس کی مغفرت نہ کرے گا اور نہ اس حرکت کا کوئی عذر ہو سکتا ہے۔ کفر تو ایک حجاب ہے' جب پردہ ہٹ جائے تو فطرت اپنے خالق کے ساتھ مربوط ہو جاتی ہے اور گمراہ شخص پھر سے ساتھ مل جاتا ہے۔ پودا اپنی نرسری میں آ جاتا ہے اور روح ایمان کی مٹھاس کو چکھ لیتی ہے اس لیے جو لوگ ایمان کے بعد بار بار مرتد ہوتے ہیں گویا وہ فطرت سے بھاگتے ہیں' علم سے بھاگتے ہیں اور عمداً جہالت میں گرتے ہیں اور وہ عمداً راہ ضلالت اور گم شدگی پر چل نکلتے ہیں۔ اور پھر وہ اس راہ پر اس قدر دور نکل جاتے ہیں کہ آگے سے راہ ہی ختم ہو جاتی ہے۔

یہ وجہ ہے کہ اللہ نے حکم دیا کہ اب وہ انھیں معاف نہ کرے گا اور اب وہ انھیں دوبارہ لوٹا کر راہ ہدایت پر نہ لائے گا اس لیے کہ انھوں نے قصداً راہ حق کو چھوڑا پہلے وہ اس راہ پر چل چکے تھے اور منزل پا چکے تھے۔ انھوں نے قصداً اندھے پن اور برائی کو اختیار کیا جبکہ پہلے وہ صاحب نظر تھے اور صراط مستقیم کے راہ رو تھے۔

جب تک نفس انسانی اللہ کے لیے خالص نہ ہو جائے' اس وقت تک وہ اوضاع واقدار اور مصالح اور مفادات کے دباؤ سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ نہ وہ حرص اور لالچ سے پاک ہو سکتا ہے اور نہ وہ مصلحتوں اور امیدوں سے پاک ہو سکتا ہے۔ اور یہ نفس کبھی بھی عزت نفس' بلندی' ہمت اور آزادی سے سرشار نہیں ہو سکتا جس طرح وہ نفس ہوتا ہے جو محبت الٰہی سے بھرا ہوا ہو۔ جب کوئی دل محبت الٰہی سے بھر جائے تو وہ دنیاوی اقدار' دنیاوی طور طریقوں' دنیا کے واقعات' دنیا کے لوگوں' دنیا میں پائے جانے والی تمام قوتوں' حکومتوں اور ان کے اہالی وموالی کے مقابلے میں برتر ہوتا ہے۔

یہاں سے پھر نفاق کا پودا پھوٹتا ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ نفاق کی حقیقت کیا ہے؟ نفاق صرف یہ ہے کہ انسان سچائی پر بظاہر تو ثابت ہو جائے مگر اس کے لیے لڑنے اور باطل کے ساتھ مقابلہ کرنے میں ضعیف ہو۔ یہ ضعف اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں خوف اور لالچ پیدا

ہو جاتا ہے اور یہ خوف اور لالچ دونوں اللہ سے نہیں ہوتے بلکہ غیر اللہ سے ہوتے ہیں۔ انسان پھر زمین کے حالات اور زمین کی شخصیات کا قیدی بن جاتا ہے اور اسلامی نظام سے دور ہو جاتا ہے۔

لہٰذا اس سبق میں ایمان کی بات بھی ہونی ہے' قیام شہادت اور عدل کی بات بھی ہوئی اور نفاق کی بات بھی ہوئی اور تینوں کے درمیان گہرا ربط ہے۔ عمومی مناسبت تو یہ ہے کہ یہی اس سورۃ کے اصل موضوعات ہیں یعنی جماعت مسلمہ کی اسلامی نظام حیات میں تربیت اور اس کی اجتماعی زندگی سے جاہلیت کے آثار کو مٹانا' جماعت کے افراد کے نفوس کو بشری فطری کمزوریوں کے مقابلے میں تیار کرنا اور پھر اسے ارد گرد پھیلے ہوئے مشرکین اور منافقین کے ساتھ ہونے والے معرکے کے اندر اتارنا۔ اس پوری سورۃ کے اندر یہی مرکزی مضمون ہے جس کے ارد گرد یہ سورۃ گھومتی ہے' اول سے آخر تک۔

یہی وجہ ہے کہ اس سبق کے باقی ماندہ حصے میں بات منافقین تک محدود ہے اور اس پر یہ پارہ بھی ختم ہوتا ہے جبکہ اس سے قبل منافقین کی ایک خاص جماعت کا تذکرہ ہوا کہ وہ بار بار اعلان اسلام کرتے ہیں اور پھر کفر کرتے ہیں۔ چنانچہ اب یہاں سے منافقین پر تنقید شروع ہوتی ہے جن کے بارے میں قرآن نے تفصیلات بیان کر دی ہیں اور مختلف انداز میں ان کی بیماری کا مطالعہ کیا ہے تاکہ اسلامی نظام کا مزاج اچھی طرح سامنے آجائے فطرت کے مطابق اس پر عمل ہو اور دلوں میں اور عمل میں اسلامی نظام واضح طور پر نظر آئے۔

138: بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۙ

جو منافق اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں' انھیں یہ مژدہ سنا دو کہ ان کے لیے دردناک سزا تیار ہے)

139: الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ

کیا یہ لوگ عزت کی طلب میں ان کے پاس جاتے ہیں؟ حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے

140: وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ڮ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۙ

اللہ اس کتاب میں تم کو پہلے ہی حکم دے چکا ہے کہ جہاں تم سنو کہ اللہ کی آیات کے خلاف کفر بکا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے وہاں نہ بیٹھو جب تک کہ لوگ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں۔ اب اگر تم ایسا کرتے ہو تو تم بھی انہی کی طرح ہو۔ یقین جانو کہ اللہ منافقوں اور کافروں کی جہنم میں ایک جگہ جمع کرنے والا ہے

141: الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝

یہ منافق تمہارے معاملے میں انتظار کر رہے ہیں (کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے) اگر اللہ کی طرف سے فتح تمہاری ہوئی تو آکر کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اگر کافروں کا پلہ بھاری رہا تو ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے خلاف لڑنے پر قادر نہ تھے اور پھر بھی ہم نے تم کو مسلمانوں سے بچایا؟ بس اللہ ہی تمہارے اور ان کے معاملے کا فیصلہ قیامت کے روز کرے گا اور (اس فیصلے میں) اللہ نے کافروں کے لیے مسلمانوں پر غالب آنے کی ہرگز کوئی سبیل نہیں رکھی۔

142: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَاۗءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں حالانکہ درحقیقت اللہ ہی نے انھیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ جب یہ نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اٹھتے ہیں اور خدا کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔

143: مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۡ لَآ اِلٰٓى هٰٓؤُلَاۗءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝

کفر و ایمان کے درمیان ڈانواڈول ہیں۔ نہ پورے اس طرف ہیں نہ پورے اس طرف۔ جسے اللہ نے بھٹکا دیا ہو اس کے لیے تم کوئی راستہ نہیں پا سکتے۔

(آیت) "۱۳۸ تا ۱۴۳۔

منافقین پر یہ تنقیدی جملہ اس طنز کے ساتھ شروع ہوتا ہے یہاں ارتداد کے بجائے لفظ بشر سے ان پر تنقید شروع کر دی جاتی ہے۔ انھیں اس عذاب کی خوشخبری دی جا رہی ہے جو ان کے انتظار میں ہے۔ اس کے بعد سبب عذاب بھی بتا دیا جاتا ہے' وہ یہ ہے کہ یہ لوگ اہل ایمان کے ساتھ دوستی کرنے کے بجائے کافروں کو دوست بنا رہے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کو اللہ سے بدظنی ہے۔ تیسرے یہ کہ ان کو معلوم نہیں ہے کہ عزت اور ذلت دینے والا کون ہے۔

(آیت) "بشر المنفقین بان لھم عذابا الیما (۱۳۸) الذین یتخذون الکفرین اولیاء من دون المومنین ایبتغون عندھم العزۃ فان العزۃ للہ جمیعا" (۱۳۹) (۴: ۱۳۸۔۱۳۹)

جو منافق اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں' انھیں یہ مژدہ سنا دو کہ ان کے لیے دردناک سزا تیار ہے۔ کیا یہ لوگ عزت کی) (طلب میں ان کے پاس جاتے ہیں؟ حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔

یہاں جن کفار کا ذکر کیا گیا ہے راجح روایات کے مطابق ان سے مراد یہودی ہیں' منافقین ان کے ہاں پناہ لیتے تھے اور ان کے ہاں راتوں کو چھپتے تھے۔ ان کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف مشورے کرتے تھے اور مسلمانوں کے خلاف قسم قسم کی سازشیں کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ سوالیہ انداز میں پوچھتے ہیں کہ یہ لوگ دعوائے ایمان بھی کرتے ہیں اور اس کے باوجود کفار کے ساتھ دوستی کرتے ہیں' اپنے آپ کو یہ لوگ کس لیے ایسے موقف میں کھڑا کرتے ہیں۔ کیا یہ لوگ کفار سے عزت کے طلبگار ہیں؟ حالانکہ عزت تو اللہ کے ہاں ہوتی ہے اور عزت صرف اسے ملتی ہے جو اللہ کا دوست ہو اور جو اللہ کی درگاہ سے عزت کا طلبگار ہو اور اللہ کے ہاں وہ پناہ لینے والا ہو۔

اس طرح ان آیات میں منافقین کی ایک جھلکی دکھائی جاتی ہے۔ یہ ان کی پہلی صفت ہے کہ وہ مومنین کے ساتھ دوستی نہیں رکھتے اور کافروں کے دوست ہوتے ہیں۔ وہ عزت اور قوت کافروں کے ہاں ڈھونڈتے ہیں حالانکہ عزت اور قوت کا سرچشمہ اللہ ہے۔ اس لیے ضروری ہے عزت کی تلاش اور قوت کی تلاش اللہ کے ہاں سے کی جائے اور اگر وہ یہ تلاش کسی دوسری جگہ کریں گے تو یہ تلاش عبث ہو گی' اس لیے کہ یہ جنس دوسری جگہ ہے ہی نہیں۔

یہ بات نوٹ کر لیں کہ اس کائنات میں نفس انسانی کے لیے ایک ہی سہارا ہے' جہاں سے وہ عزت پا سکتا ہے۔ جب اس سہارے کے آگے یہ نفس جھکے گا تو دوسروں کے مقابلے میں سربلند ہو جائے گا۔ یہ ایک ہی بندگی اور ایک ہی سجدہ انسان کو تمام سجدوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اگر نفس انسانی نے اللہ کے سامنے جھکنا نہ شروع کیا تو اسے بہت سے خداؤں کی بندگی کرنا ہو گی' اسے کئی اشخاص کی بندگی کرنا ہو گی۔ وہ مختلف قسم کے لحاظ رکھے گا' مختلف جہتوں کا اسے خیال کرنا ہو گا اور وہ مختلف خطرات سے دوچار ہو گا اور یہ سب لحاظ وملاحظے اور مختلف لوگوں کی بندگی اور غلامی بھی اسے بچا نہ سکے گی۔ اس لیے کہ یا یہاں تو اللہ کی بندگی ہو گی اور پھر انسان سربلند اور معزز ہو جائے گا اور یا پھر انسانوں کی بندگی ہو گی جو عبارت ہے 'غلامی اور ذلت سے اور جس میں آزادی کے بجائے قید وبند ہے۔ اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ ان میں سے کس کو اختیار کرتا ہے' غلامی کو یا آزادی کو؟

کوئی شخص مومن ہوتے ہوئے یہ نہیں کر سکتا کہ وہ ماسوی اللہ کے ہاں عزت کا طلبگار ہو۔ اگر ایسا کرے گا تو وہ مومن نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر مومن اللہ کے دشمنوں سے عزت' نصرت اور قوت طلب کرتا ہے' تو وہ مومن نہ ہو گا۔ آج جو لوگ اسلام کا دعوی کرتے ہیں اور مسلمانوں جیسے نام رکھتے ہیں اور وہ اس کائنات کے اندر دشمنان اسلام سے مدد لیتے ہیں تو سب لوگوں کی نسبت ان کو اس بات کی زیادہ ضرورت ہے کہ وہ

ذرا قرآن کی ان ہدایات پر تدبر کریں بشرطیکہ ان کے دلوں میں صحیح مسلمان ہونے کی خواہش ہو۔ اگر ان کو اس بارے میں کوئی رغبت ہی نہیں ہے تو اللہ تو عالمین سے غنی ہے۔

علاوہ دوسری باتوں کے یہ بھی کفار سے عزت طلب کرنے کے مترادف ہے کہ انسان اپنے ان آباء واجداد پر فخر کرے جو کفر پر مر گئے تھے اور یہ لحاظ رکھے کہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان نسبت اور قرابت کا تعلق ہے۔ جس طرح بعض لوگ فرعونوں پر فخر کرتے ہیں' بعض لوگ اشوریوں پر فخر کرتے ہیں' بعض فنیضیوں پر فخر کرتے ہیں' بعض بابئیوں پر فخر کرتے ہیں اور عرب اپنی جاہلیت عربیہ اور جمعیت جاہلیہ کا لحاظ رکھتے ہیں۔

امام احمد نے ابو ریحانہ سے روایت نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص (۹) نو کافر آباؤاجداد کی طرف اپنی نسبت کرے گا اور اس سے اس کا مقصد یہ ہو کہ وہ ان پر فخر کرتا ہے تو یہ شخص دسواں شخص ہو گا جو ان کا جہنم میں ساتھی ہو گا۔"

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں اکٹھ صرف نظریہ حیات پر ہے۔ اسلام میں امت صرف اسلام و ایمان کی اساس پر ہے اور آغاز اسلام سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے آغاز اسلام سے آج تک ہر سرزمین' ہر جگہ اور ہر نسل میں اسلام کا یہی موقف رہا ہے۔ امت کا معنی یہ نہیں ہیں کہ کسی دور میں کسی نسل کی ایک جگہ رہائش ہو اور وہ ایک امت بن جائے۔

مراتب نفاق میں سے اعلی مرتبہ یہ ہے کہ ایک مومن کسی ایسی مجلس میں بیٹھا رہے جس کے اندر اللہ کی آیات کا انکار کیا جا رہا ہو' ان کے ساتھ مذاق کیا جا رہا ہو اور یہ شخص خاموش بیٹھا ہو اور چشم پوشی کرے۔ پھر اس کو وداداری کا نام دے یا اسے ہوشیاری' یا وسعت قلبی یا آزادی رائے کا نام دے حالانکہ یہ موقف دراصل داخلی شکست ہے جو اس کی رگ وپے میں سرایت کر گئی ہے۔ یہ نام وہ اس لیے رکھ رہا ہے کہ لوگ اسے کمزور اور ضعیف الایمان ہونے کا طعنہ نہ دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ ان الفاظ میں اپنی کمزوری کو چھپاتے ہیں۔

اللہ کے لیے حمیت' اللہ کے دین کے لیے حمیت اور آیات الہی کے لیے حمیت' درحقیقت ایمان کی بڑی نشانی ہے۔ جب یہ حمیت ختم ہو جاتی ہے تو پھر بند ٹوٹ جاتا ہے اور تمام پردے ہٹ جاتے ہیں۔ تمام رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں اور جب زیادہ دباؤ پڑتا ہے تو وہ کچا دھاگہ بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ پہلے پہل اسلامی حمیت دب جاتی ہے جس طرح چنگاری کو راکھ میں دبا دیا جاتا ہے پھر وہ ٹھنڈی ہو کر بجھ جاتی ہے۔

جو شخص بھی کسی مجلس میں اپنے دین کے ساتھ مذاق سے اسے چاہیے کہ یا تو وہ دین کا دفاع کرے یا مجلس سے اٹھ کر چلا جائے لیکن اگر وہ چشم پوشی کرتا ہے اور خاموش رہتا ہے تو یہ اس کی پہلی شکست ہے۔ یہ ایک ایسی حالت ہوتی ہے کہ ہوتی ہے کہ انسان نفاق کے پل پر بالکل بیچ میں ایمان اور کفر کے درمیان کھڑا ہوتا ہے۔

مدینہ میں بعض مسلمان ایسے تھے جو بڑے بڑے منافقین کی محفلوں میں بیٹھتے تھے اور یہ منافقین بڑے بااثر تھے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہجرت کے بعد بھی ان کو معاشرے میں اثر ورسوخ حاصل تھا۔ اس لیے قرآن کریم نے مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ ایسی مجالس میں جانا اور پھر ان مجالس میں جو گفتگوئیں اسلام کے خلاف چلتی ہیں ان کی خاموشی سے سنتے چلے جانا' شکست کا پہلا مرحلہ ہے۔ چنانچہ حکم دیا گیا کہ مسلمان ان مجالس سے باز آجائیں لیکن حالات ایسے نہ تھے کہ قرآن ایسی مجالس میں بیٹھنے سے مطلّقاروک دیتا اس لیے یہاں صرف یہ حکم دیا گیا کہ جب اللہ کی آیات کا انکار کیا جارہا ہو اور ان کے ساتھ مذاق کیا جارہا ہو تو مسلمانوں کو ان کا بائیکاٹ کر دینا چاہیے۔ اگر اس صورتحال میں بھی ایک مسلم شریک ہوتا ہے تو وہ منافق ہے۔

(آیت) "وقد نزل علیکم فی الکتب ان اذا سمعتم ایت اللہ یکفر بھا ویستھزا بھا فلا تعقدوا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلھم ان اللہ جامع المنفقین والکفرین فی جھنم جمیعا"۔ (۴ : ۱۴۰)

(اللہ اس کتاب میں تم کو پہلے ہی حکم دے چکا ہے کہ جہاں تم سنو کہ اللہ کی آیات کے خلاف کفر بکا جارہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جارہا ہے وہاں نہ بیٹھو جب تک کہ لوگ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں۔ اب اگر تم ایسا کرتے ہو تو تم بھی انہی کی طرح ہو۔ یقین جانو کہ اللہ منافقوں اور کافروں کی جہنم میں ایک جگہ جمع کرنے والا ہے۔) یہاں الکتاب کا جو ریفرنس دیا گیا ہے۔ وہ سورۃ انعام کی یہ آیت ہے۔ (آیت) "واذا رایت الذین یخوضون فی ایاتنا فاعرض عنھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ) یہاں جو سخت بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ (آیت) "انکم اذا مثلھم) (اب اگر تم ایسا کرتے ہو تو تم بھی انہی کی طرح ہو) اور اس کے بعد جو سخت وعید آتی ہے وہ ایسی ہے کہ جو بات کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔ (آیت) "ان اللہ (جامع المنفقین والکفرین فی جھنم جمیعا" (۴ : ۱۴۰) (یقین جانو کہ اللہ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں ایک جگہ جمع کرنے والا ہے

لیکن صرف ان مجالس سے منع کیا گیا ہے جن میں آیات الٰہی کا کفر کیا جارہا ہے۔ ان کے ساتھ مذاق کیا جارہا ہو اور اس وقت جماعت مسلمہ جن حالات سے گزر رہی تھی اللہ نے ان حالات میں مکمل بائیکاٹ کا حکم نہیں دیا۔ ایسے حالات دوسرے معاشروں اور آنے والی نسلوں میں بھی پیش آسکتے ہیں اور اسلامی نظام حیات کا طریقہ کار بھی یہی ہے کہ وہ اگر کوئی تحریک برپا کرتا ہے تو اسے نہایت ہی حکمت اور تدریج کے ساتھ لیتا ہے۔ وہ معاشرے کے اندر پائے جانے والے حالات' واقعی صورت حال اور لوگوں کے افکار وخیالات کو مدنظر رکھتا ہے لیکن ہدف یہی ہوتا ہے کہ اس واقعی صورت حال کو تبدیل کر کے چھوڑا جائے گا اور اس سمت پر مسلسل آگے بڑھا جائے گا۔

(Oil painting) اس کے بعد منافقین کے کچھ خدوخال بیان کئے جاتے ہیں۔ یہاں منافقین کی بہت ہی بھونڈی صورت حال کی سینری بنائی جاتی ہے کہ وہ جب مسلمانوں کے ہاں کھڑے ہوں تو ان کے چہرے کے خدوخال دوسرے ہوتے ہیں اور اس سینری میں جب وہ منافقین کے

ساتھ کھڑے نظر آتے ہیں تو ان کے چہرے کے خدوخال بالکل دوسرے ہوتے ہیں۔ انھوں نے اپنی عجیب حالت بنا رکھی ہے۔ وہ کیڑے مکوڑوں اور سانپوں کی طرح پہلو بدلتے چلتے ہیں۔ نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے۔

(آیت) "الذی یتربصون بکم فان کان لکم فتح من اللہ قالوا الم نکن معکم وان کان للکفرین نصیب قالوا الم نستحوذ علیکم و نمنعکم من المومنین فاللہ یحکم بینکم یوم القیمۃ ولن یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلا (۴ : ۱۴۱)

یہ منافق تمہارے معاملے میں انتظار کر رہے ہیں (کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے) اگر اللہ کی طرف سے فتح تمہاری ہوئی تو آکر کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اگر کافروں کا پلہ بھاری رہا تو ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے خلاف لڑنے پر قادر نہ تھے اور پھر بھی ہم نے تم کو مسلمانوں سے بچایا؟ بس اللہ ہی تمہارے اور ان کے معاملے کا فیصلہ قیامت کے روز کرے گا اور (اس فیصلے میں) اللہ نے کافروں کے لیے (مسلمانوں پر غالب آنے کی ہرگز کوئی سبیل نہیں رکھی۔

یہ عجیب تصویر اور سینری ہے۔ اس میں دکھایا جاتا ہے کہ منافقین مسلمانوں کے خلاف کس قدر گہری چال چل رہے ہیں اور کس قدر برے ارادے ہیں ان کے۔ وہ ہر وقت اس گھڑی کے انتظار میں ہیں کہ اہل اسلام پر کوئی مصیبت آئے۔ لیکن بظاہر وہ مسلمانوں کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو فتح نصیب ہو اور کوئی غنیمت ملے تو وہ اس وقت کہیں گے۔ (الم نکن معکم (۴ : ۱۴۱) (کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے) اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ ہم جنگ کے موقعہ میں تمہارے ساتھ تھے۔ اس لیے کہ منافقین کبھی کبھار مسلمانوں کی صفوں میں جا کر اپنی ریشہ دوانیاں جاری رکھتے تھے یا اس سے مراد یہ ہے کہ ہم کہیں گے کہ ہم بھی تمہارے حامی اور ناصر تھے۔ اور اگر جنگ پر نہ گئے تو پشت پر تمہارے ہی مددگار تھے۔

(آیت) "وان کان للکفرین نصیب قالوا الم نستحوذ علیکم و نمنعکم من المومنین (۴ : ۱۴۱) (اگر کافروں کا پلہ بھاری رہا تو ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے خلاف لڑنے پر قادر نہ تھے اور پھر بھی ہم نے تم کو مسلمانوں سے بچایا) ان کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے ان سے تعاون کیا' امداد کی اور ان کی پشتیبانی کی اور مسلمانوں کے ساتھ سچ نہ کہا اور مسلمانوں کی صفوں کے اندر بے چینی اور افراتفری پیدا کی۔

اس طرح یہ لوگ کیڑوں اور سانپوں کی طرح پہلو بدلتے تھے اور ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف زہر بھرا ہوا تھا۔ ان کے منہ میں چکنی چپڑی باتیں تھیں لیکن یہ کمزور کردار کے لوگ تھے۔ ان کی اس سینری سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہایت ہی خستہ حال اور بدشکل ہیں اور ان کو اہل ایمان نظر انداز کر رہے ہیں۔ اہل ایمان کی روح کے لیے اسلامی نظام حیات کی یہ پہلی جھلکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نگرانی اور ہدایت کے زیر سایہ منافقین کے ساتھ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا منصوبہ یہ تھا کہ ان کے ساتھ چشم پوشی اور نرمی کا رویہ اختیار کیا جائے اور اہل اسلام کو ان کے مقابلے میں متنبہ اور خبردار کر دیا جائے، ان کو ان کے اصل عزائم سے آگاہ کر دیا جائے اور اس طرح ان کو زہر کا میٹھا پیالہ پلایا جائے اسی لیے ان کی سزا

کے لیے یہ کہا جاتا ہے سزا دہی میں شتابی نہ کرو' ان کا فیصلہ اللہ آخرت میں کرے گا۔ (فاللہ یحکم بینکم یوم القیمۃ) (۴ : ۱۴۱) " (اللہ ان کا فیصلہ قیامت کے روز کرے گا) جہاں کوئی سازش نہ چلے گی' جہاں کوئی عیاری اور مکاری کام نہ دے گی اور جہاں کوئی شخص بات دل میں نہ چھپا سکے گا۔

اس موقعہ پر اہل ایمان کے ساتھ بھی ایک قطعی وعدہ کر کے ان کو مطمئن کر دیا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو مکاری اور عیاری کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ اور اس کے ذریعے اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو گی اور کافروں کے ساتھ ان کی سازش ان کو کوئی فائدہ نہ دے گی۔ اللہ کی سنت یہ ہے کہ اس نے کافروں اور منافقوں کے لیے یہ لکھا ہی نہیں ہے کہ وہ اہل ایمان پر غالب ہوں۔

((آیت) " ولن یجعل اللہ للکفرین علی المومنین سبیلا) (۴ : ۱۴۱) " (اور اللہ نے کافروں کو مسلمانوں پر غالب آنے کی کوئی سبیل نہیں رکھی

بعض روایات میں آتا ہے کہ اس آیت میں کافروں کے غلبے سے مراد قیامت کے روز غلبہ ہے جہاں اللہ اہل ایمان اور منافقین و کافرین کے درمیان فیصلہ کرے گا اور مومنین کے بارے میں اچھا فیصلہ ہو گا۔ لیکن ایک دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ اس سے مراد کہ مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کافروں کو اس طرح غلبہ نہیں دے گا کہ کافر انھیں بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکیں اگرچہ بعض معرکوں اور بعض علاقوں میں ان کو غلبہ

نصیب ہو سکتا ہے۔ اس آیت کو اگر دنیا اور آخرت دونوں کے لیے لیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے' اس لیے کہ اس میں کوئی اخروی تحدید و تخصیص نہیں ہے۔

اگر اس سے اخروی کامیابی لی جائے تو پھر اس میں تو کوئی شک و شبہ ہی نہیں ہے۔ البتہ اگر دنیاوی غلبہ لیا جائے تو اس میں بعض اوقات اشکال پیش آ سکتے ہیں اور غلط فہمی بھی لاحق ہو سکتی ہے جس کی تشریح کی ضرورت ہے۔

یہ اللہ کا ایک قطعی وعدہ ہے اور اللہ کا ایک جامع حکم ہے۔ جب اہل ایمان کے دلوں میں ایمان کی حقیقت بیٹھ جائے اور ان کی زندگی کی اصل صورت حال میں اس حقیقت کا ظہور ہو جائے' اور پھر یہ حقیقت ان کے لیے نظام زندگی بن جائے اور اس کے اوپر نظام حکومت قائم ہو جائے اور ان کی ہر حرکت اور ہر سوچ اللہ کے لیے ہو جائے اور وہ چھوٹے اور بڑے سب امور میں اللہ کے بندے بن جائیں تو پھر کافروں کو مسلمانوں پر غالب آنے کی کوئی صورت سنت الٰہی میں نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اس کے خلاف تاریخ اسلامی میں کوئی ایک واقعہ بھی بطور مثال پیش کیا جا سکتا۔

میں بڑے وثوق سے کہتا ہوں کہ اللہ کے اس وعدے کے بارے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ صحیح اہل ایمان کو کبھی شکست نہیں ہو سکتی۔ اور ان کو تاریخ میں کبھی بھی ایسی کسی شکست سے دوچار ہونا نہیں پڑا۔ اور جب کبھی بھی ایسا ہوا ہے تو صرف اس وقت جب ان کے ایمان میں کمزوری ہوئی ہے۔ یا تو شعوری طور پر ایمان کمزور ہوا ہے یا عقیدے میں کمزوری پائی گئی ہے یا پھر عمل میں کوئی نہ کوئی کمزوری رہی ہے۔ یاد رہی ہے۔ یاد رہے کہ ایمان کا یہ مطالبہ ہے کہ اہل ایمان ہر وقت جہاد کے لیے تیار رہیں اور یہ جہاد بھی خالصتاً فی سبیل اللہ ہو اور اس میں کوئی اور مقصد پیش

نظر نہ ہو۔ اور اگر اس میں کوئی لوپ ہول ہو تو پھر اس کمزوری کے مطابق ہی شکست ہوتی رہتی ہے۔ لیکن جونہی اہل ایمان' ایمان و عمل سے یہ کمزوری دور کرلیں' فتح و کامرانی پھر ان کے قدم چومتی ہے۔

دیکھئے احد میں کمزوری یہ تھی کہ تیر اندازوں نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کے بجائے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حکم کی خلاف ورزی کا ارتکاب کیا اور اس کی وجہ صرف مال غنیمت کا لالچ تھا۔ اور جنگ حنین میں کمزوری تھی کہ مسلمانوں کو اپنی کثرت پر ناز ہو گیا اور وہ اپنی قوت کے اصل سرچشمے کو پیش نظر نہ رکھ سکے۔ اگر ہم اپنی پوری تاریخ میں ہر اس واقعے کا تجزیہ کریں جس میں ہمیں شکست ہوئی تو معلوم ہو گا کہ وہاں اس قسم کی کوتاہیوں میں سے کوئی نہ کوئی کوتاہی تھی۔ اگر کہیں کوتاہی نظر نہ آئے تو یہ ہماری فہم کا قصور ہو گا۔ رہا اللہ کا یہ وعدہ تو وہ دنیا و اخرت دونوں میں برحق ہے۔

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ بعض اوقات ابتلاء محض حکمت خداوندی کی وجہ سے ہوتی ہے اس میں حکمت یہ ہوتی ہے کہ مسلمان اپنے ایمان کے تقاضے میں عائد ہونے والے لازمی اعمال میں اپنی کمزوریوں کا اچھی طرح احساس کرلیں۔ جیسا کہ احد میں پیش آیا اور اس پر اللہ نے طویل تبصرہ فرمایا۔ اور جب اس ابتلاء کی وجہ سے حقیقت ایمان لازمی اعمال اور تیاریاں درست ہو گئیں تو اللہ کی مدد آ پہنچی اور نصرت سامنے آ گئی' بالکل کھلی نصرت۔

رہا یہ کہ ہزیمت سے مراد وہ ہزیمت ہے جو کسی ایک معرکے اور جھڑپ میں ہزیمت نہیں ہیں۔ اس کے معنی بھی بہت ہی وسیع ہیں۔ اس سے مراد روحانی شکست ہے عزم کا ٹوٹ جانا ہے۔ کسی معرکے میں شکست تب تسلیم ہو گی جب اس کے زیر اثر شکست خوردہ جماعت کی ہمت ٹوٹ جائے اور وہ تھک ہار کر بیٹھ جائے۔ لیکن اگر وہ اپنے اندر از سر نو ہمت تازہ پیدا کرلے' از سر نو مشعل روشن کرلے اور اپنی کمزوری کے مقامات تلاش کرلے اور اسے معلوم ہو جائے کہ اس معرکے کا مزاج کیا ہے' اس نظریہ حیات کا مزاج کیا ہے' اور اس راہ میں کیا کیا مشکلات ہیں تو فتح و نصرت کے لیے یہ شکست ایک تمہید ہو گی اگرچہ راہ طویل ہو جائے۔

جب اس آیت میں یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ نے اہل کفر کے غلبے کی کوئی صورت ہی نہیں رکھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مومن روحانی طور پر غالب ہوتا ہے اور فتح تبھی ہوتی ہے جب روح اور ایمان غالب ہوں۔ فتح دراصل افکار مومنانہ کی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دعوت دیتا ہے کہ اپنے شعور اور تصور کے اعتبار سے وہ کامل اور مکمل مومن ہوں۔ اپنی عملی زندگی میں وہ برتر اور کامل ہوں۔ ان کا عمل و کردار برتر ہو اور ان کا اعتماد صرف عنوان پر ہی نہ ہو۔ اس لیے کہ نصرت صرف نام اور عنوان کو نہیں ملتی بلکہ نام اور عنوان کے پیچھے جو حقیقت ہوتی ہے فتح اسے نصیب ہوتی ہے۔

ہماری فتح اور شکست کے لیے صرف ایک ہی شرط ہے اور وہ شرط یہ ہے کہ ہم حقیقت ایمان کو مکمل کریں اور اس کے بعد اس حقیقت ایمانیہ کے تقاضے میں جو عملی زندگی میں تبدیلیاں لانی ہیں وہ لائیں۔ حقیقت ایمان یہ ہے کہ ہم پوری طرح تیاری کریں اور سامان جنگ اور تجربہ جنگ سے لیس ہوں۔ ایمان کی حقیقت کی تکمیل میں یہ بات بھی ہے کہ ہم دشمنوں کے آگے ہر گز نہ جھکیں اور عزت کے طلبگار صرف اللہ سے ہوں۔

اللہ کا یہ موکد وعدہ پوری طرح حقیقت ایمانیہ کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے اور اس طرح حقیقت کفر کے ساتھ بھی یہی وعدہ ہے۔ ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا رابطہ اس عظیم قوت سے ہو جائے جو نہ کمزور پڑتی ہے اور نہ ضعیف ہوتی ہے۔ کفر کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی اس عظیم قوت سے اپنا رابطہ کاٹ دے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ محدود' ٹوٹی پھوٹی یکہ و تنہا قوت ایک ایسی قوت پر غالب آ جائے جو لامحدود ہو' جو اپنے سرچشمہ قوت سے مربوط ہو اور جو قوت اس پوری کائنات کی قوت ہے۔

لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ حقیقت ایمان اور محض مظہر ایمان میں بہت فرق ہوتا ہے۔ حقیقت ایمانیہ تو وہ قوت ہے جو ٹھوس ہے' اور اس طرح مستحکم اور اٹل ہے جس طرح اس کائنات کے قوانین طبیعی ٹھوس اور اٹل ہیں۔ اور وہ حقیقت ایمانی حضرت انسان کی شخصیت پر مکمل کنٹرول رکھتی ہے اور اس کی ہر حرکت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ ایک عظیم حقیقت ہوتی ہے اور وہ اس بات کی ضامن ہوتی ہے کہ جب اس کا سامنا کفر کی قوت کے ساتھ ہو جو یکہ و تنہا ہوتی ہے' جو حقیقی منبع قوت سے کٹی ہوئی ہوتی ہے اور محدود ہوتی ہے تو یہ ایمانی حقیقت' حقیقت کفر پر غالب آ جاتی ہے۔ لیکن ایمان اگر حقیقت نہ ہو محض صورت ہو تو اس صورت پر کفر غالب آ سکتا ہے جبکہ کفر اپنی حقیقت کے اندر فعال ہو اور کفر اپنے حقیقت کفر میں مخلص ہو محض صورت نہ ہو اس لیے کہ کسی بھی چیز کی حقیقت محض صورت کے مقابلے میں بھاری ہوتی ہے اگرچہ ایک صورت ایمان اور دوسری طرف صورت کفر ہو۔

اللہ کے ہاں باطل کو مغلوب کرنے اصول یہ ہے کہ اس کے مقابلے میں حق اور سچائی اٹھے اور جب سچائی اپنی حقیقت کے اعتبار سے موجود ہو تو پھر سچائی اور باطل کے درمیان کشمکش کا فیصلہ اسی وقت ہو جاتا ہے۔ اگرچہ باطل بظاہر بہت ہی بڑا اور عظیم نظر آئے اور آنکھوں کو چکا چوند کرنے والا ہو۔

(آیت) " بل نقذف بالحق علی الباطل فاذا ھی یدمغہ ماذا ھو زاھق) (بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینکتے ہیں اور وہ باطل کا سر پھوڑ دیتا ہے اور وہ اچانک (زائل ہو جاتا ہے) صدق اللہ العظیم (اور اللہ نے کافروں کے لیے مومنین پر غلبے کی کوئی صورت نہیں رکھی ہے

اس قطعی اور فیصلہ کن وعدے کے بعد کہ کافر مومنین پر غالب و برتر نہیں ہو سکتے اور منافقوں کو جو کافروں کے ساتھ دوست کرتے ہیں اور جو کافروں کے ہاں عزت ڈھونڈتے ہیں اللہ تعالیٰ منافقین کی ایک دوسری تصویر پیش کرتا ہے اور اس تصویر کے ساتھ ان کی سبکی اور ان کی گوشمالی بھی ہے۔

(آیت) "ان المنفقین یخدعون اللہ وھو خادعھم واذا قاموا الی الصلوۃ قاموا کسالی یراؤن الناس ولا یذکرون اللہ الا قلیلا (۱۴۲) مذبذبین بین ذالک لا الی ھولآء ولا الی ھولاء ومن یضلل فلن تجد لہ سبیلا (۱۴۳) (۴ : ۱۴۲۔ ۱۴۳) (یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں حالانکہ در حقیقت اللہ ہی نے انھیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ جب یہ نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اٹھتے ہیں اور خدا کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔ کفر و ایمان کے درمیان ڈانواڈول ہیں۔ نہ پورے اس طرف ہیں نہ پورے اس طرف۔ جسے اللہ نے بھٹکا دیا ہو اس کے لیے تم کوئی راستہ نہیں پا سکتے۔)

اسلامی نظام کی جھلکیوں میں سے یہ ایک اور جھلکی مومن دلوں کو دکھائی جارہی ہے کہ اللہ تو کسی کو دھوکہ نہیں دیتا' اس لیے کہ اللہ تو دل کے رازوں کو بھی جانتا ہے اور جو شخص اللہ کو دھوکہ دینے کی جرات کرتا ہے وہ بہر حال ایک، احمق' جاہل اور نہایت ہی بد فطرت شخص ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں ایسے لوگوں کو نہایت ہی حقیر' قابل نفرت اور گھٹیا قرار دیا جارہا ہے۔

اس جھلکی اور ٹچ کے بعد یہ فیصلہ کر دیا جاتا ہے کہ اللہ بھی ان لوگوں کو دھوکے میں ڈال رہا ہے' انھیں مہلت دے رہا ہے اور گمراہی کی حالت ہی میں انھوں چھوڑ دیا ہے۔ ان پر کوئی ایسی مصیبت نہیں لا رہا ہے جس سے وہ متنبہ ہو کر راہ راست پر آ جائیں اور نہ ایسی کھٹک سے انھیں دو چار کر رہا ہے جس سے متنبہ ہو کر ان لوگوں کی آنکھیں کھل جائیں۔ اللہ انھیں کھلی چھٹی دے رہا ہے کہ وہ اس راستے پر چلتے رہیں جس میں گڑھے ہیں تا کہ یہ لوگ ان میں گر جائیں۔ یہ ہے وہ خدع جو اللہ کی طرف سے ان کے ساتھ ہو رہی ہے۔ حادثات اور مشقتیں بعض اوقات اللہ کی رحمت بن کر آتی ہیں۔ جب بعض بندوں پر مصیبتیں آتی ہیں تو وہ راہ خطا سے باز آ جاتے ہیں اور انھیں وہ راز معلوم ہو جاتے ہیں جن کا پہلے انھیں کوئی علم و شعور نہیں ہوتا۔ اور بعض اوقات امن و عافیت انسان کے لیے اللہ کی جانب سے مہلت ہوتی ہے اور گناہ گار بری راہ پر مزید آگے بڑھ جاتے ہیں اس لیے کہ یہ لوگ گناہ اور گمراہی کی راہ میں اس قدر آگے جا چکے ہوتے ہیں کہ اللہ انھیں عافیت دے کر مزید آگے جانے دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ برے انجام تک جا پہنچتے ہیں۔

اب بات ذرا اور آگے بڑھتی ہے اور ان کی اس کریہہ المنظر تصویر میں کچھ اور دھبے دکھائی دیتے ہیں۔

(آیت) "واذا قاموا الی الصلوۃ قاموا کسالی یراؤن الناس ولا یذکرون اللہ الا قلیلا (۴ : ۱۴۲) (جب یہ نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اٹھتے ہیں اور خدا کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔) وہ نماز کے لیے اس لیے نہیں اٹھتے کہ انھیں اللہ سے ملاقات کرنے کا شوق ہوتا ہے' وہ اللہ کے سامنے دست بستہ کھڑے ہونا چاہتے ہیں' اللہ کے ساتھ جڑنا چاہتے ہیں اور اللہ سے مدد لینا چاہتے ہیں۔ یہ صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ نماز کی طرف نہایت ہی بوجھل قدموں سے اٹھتے ہیں' مثلاً جیسے کوئی شخص کسی بھاری

کام کے لیے اٹھ رہا ہو' یا اسے کسی بیگار کے لیے بلایا جارہا ہو اور ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وہ اللہ کو بہت ہی کم یاد کرتے ہیں۔ وہ اللہ کو یاد نہیں کرتے بلکہ لوگوں کو یاد کرتے ہیں۔ وہ اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے بلکہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

بیشک مومنین کی نظر میں ان کی یہ نہایت ہی کریہہ المنظر صورت ہے۔ اس نے ان کی نظروں میں حقارت اور ناپسندیدگی کے جذبات پیدا کردیئے ہیں اور ان جذبات اور اس سوچ کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اہل ایمان اور اہل نفاق کے درمیان بعد پیدا ہو جاتا ہے۔ ذاتی اور مفاداتی تعلقات کمزور پڑتے ہیں اور اہل ایمان اور اہل نفاق کے درمیان مکمل بائیکاٹ کے مراحل میں سے یہ ایک مرحلہ ہے اور اسلامی منہاج تربیت امت مسلمہ کو اس کی طرف بڑھا رہا ہے۔

: ذرا مزید خدوخال اور دھبے دیکھئے

(آیت) "مذبذبین بین ذالک لا الی ھولآء ولا الی ھولاء ومن یضلل فلن تجد لہ سبیلا (۴ : ۱۴۳) (کفر و ایمان کے درمیان ڈانواڈول ہیں۔ نہ پورے اس طرف ہیں نہ پورے اس طرف۔ جسے اللہ نے بھٹکا دیا ہو اس کے لیے تم کوئی راستہ نہیں پا سکتے۔)

ان کا موقف مذبذب اور ڈانواڈول ہے۔ وہ کسی ایک قطار میں ثابت قدمی کے ساتھ کھڑے نہیں ہوتے۔ نہ مومنین کی صفت میں ہیں اور نہ کافروں کی صف میں۔ یہ ایسا موقف ہے جو ایمان دلوں میں کوئی جذبہ ماسوائے حقارت اور کراہت کے پیدا ہی نہیں کرتا۔ اس سے اہل نفاق کی ذاتی کمزوری بھی سامنے آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کوئی دوٹوک اور فیصلہ کن موقف اختیار نہیں کرتے اور نہ ہی وہ علی الاعلان کسی عقیدے اور رائے کا اظہار کر سکتے ہیں۔ نہ ادھر کے اور نہ ادھر کے۔

اب اس بدنما تصویر اور اس عاجزانہ موقف کا اختتامیہ یہ آتا ہے کہ ان لوگوں پر اللہ کا فیصلہ قطعی ہو چکا ہے اور اللہ نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ راہ ہدایت کے حصول میں ان کے ساتھ کوئی معاونت نہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی انھیں راہ ہدایت پر نہیں لا سکتا اور نہ ان کے لیے کوئی راہ ہدایت تلاش کر سکتا ہے۔ (آیت) "یضلل اللہ فلن تجد لہ سبیلا"۔ (۴ : ۱۴۳)

یہاں تک قرآن کریم نے اہل ایمان کے دلوں میں منافقین کے خلاف کراہت اور حقارت کے جذبات پیدا کر کے ان کو باور کرایا کہ وہ بہت ہی کمزور لوگ ہیں۔ یہ مقصد اچھی طرح حاصل کرنے کے بعد اب روئے سخن اہل ایمان کی طرف ہوتا ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ کہیں تم بھی اہل نفاق کی راہ پر نہ چل نکلو اور اہل نفاق کا طریقہ یہ تھا کہ وہ کفار کے ساتھ دوستی کرتے تھے جبکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ کوئی دوستی نہ کرتے تھے۔ اللہ مومنین کو پنی پکڑ سے ڈراتے ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ منافقین کے اخروی انجام کی ایک جھلک دکھا کر ان کو ڈراتے ہیں۔ یہ جھلک نہایت ہی خوفناک ہے اور نہایت ہی ذلت آمیز ہے۔

144: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ○

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنے خلاف صریح حجت دے دو؟)

145: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ○

یقین جانو کہ منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں جائیں گے اور تم کسی کو ان کا مددگار نہ پاؤ گے

(آیت) " نمبر ۱۴۴ تا ۱۴۷۔

یہ دوبارہ اہل ایمان کو پکار اور دعوت ہے اور یہاں پھر اس صفت اور لقب سے پکارا گیا جو ان کو انھیں اس وقت کے ماحول سے ممیّز کرتی ہے اور جس کی وجہ سے ان کا منہاج صاف' ان کا طرز زندگی اور ان کا طرز متمیز ہوتا ہے اور یہی وہ صفت ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور ہدایات الٰہیہ پر عمل کرتے ہیں۔

اس صفت اور لقب سے ان کو اس لیے پکارا جاتا ہے کہ منافقین کی راہ اختیار نہ کریں۔ اور وہ اس بات سے ڈریں کہ وہ اہل ایمان کو چھوڑ کر اہل کفر کو دوست بنائیں۔ یہ پکار اس لیے دی گئی کہ اس وقت اسلامی معاشرے کو اس کی اشد ضرورت تھی کیونکہ ابھی تک اہل ایمان اور اہل کفر مثلاً مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان مدینہ میں سماجی تعلقات موجود تھے اور بعض مسلمانوں اور کفار اہل قریش کے درمیان بھی بدستور تعلقات موجود تھے اگرچہ یہ تعلقات محض دینی طور پر ہوں۔ ہم نے بعض مسلمانوں کا اس لیے کہا ہے کہ بعض نے تو از خود اہل جاہلیت کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات توڑ لیے تھے یہاں تک کہ انھوں نے آباء اور ابناء کو بھی چھوڑ دیا تھا اور صرف اسلامی برداری تک اپنے آپ کو محدود کر لیا تھا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو تعلیم دی تھی۔

اور یہی وہ بعض لوگ تھے جن کو متنبہ کرنے کی ضرورت تھی کہ یہ تعلق رکھنا گویا نفاق کی راہ ہے اور یہ تنبیہ اس وقت کی گئی جب یہ کہ دیا گیا کہ یہ ہے تصویر ان منافقین کی۔ اور ان کو یہ بھی بتا دیا گیا کہ اگر تم باز نہ آئے تو اللہ کے غضب اور انجام بد سے نہ بچ سکو گے۔

(آیت) " اتریدون ان تجعلوا اللہ علیکم سلطنا مبینا (۴ : ۱۴۴) (کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنے خلاف صریح حجت دے دو) اہل ایمان کا دل تو اللہ کی پکڑ کی دھمکی اور اس کے عذاب کے اشارے ہی سے کانپ اٹھتا ہے' یہی وجہ ہے کہ یہاں بشکل استفہام ان کو متنبہ کیا گیا کہ اللہ کے عذاب سے ڈرو اور اپنے خلاف حجت قائم نہ کرو۔

ایک بار پھر جھنجوڑا جاتا ہے۔ لیکن بالواسطہ یعنی منافقین کے انجام بد کو دوبارہ دہرا کر کہ قیامت کے دن حال یہ ہوگا اور کس قدر خوفناک ہوگا۔

(آیت) "ان المنفقین فی الدرک الاسفل من النار ولن تجد لھم نصیرا"۔ (۴ : ۱۴۵) (یقین جانو کہ منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں جائیں گے اور تم کسی کو ان کا مددگار نہ پاؤ گے)

درک اسفل یعنی سب سے نچلا طبقہ' یہ اس صورت حال سے زیادہ مناسب ہے کہ دنیا میں وہز میں کی آلائشوں کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے' اور سب سے نیچے تھے' اس طرح وہ قیامت میں بھی سب سے نیچے ہوں گے۔ دنیا میں بھی انھوں نے رفعت اور بلندی درجات حاصل نہ کی لہٰذا وہاں بھی ان کا یہی حال ہوگا یہ لوگ طمع' لالچ' ضعف اور حیرانی کا شکار تھے' اور اسی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ رکھ رکھاؤ اور اہل کفر کے ساتھ دوستی کرتے تھے اور انھوں نے یہ توہین آمیز موقف اختیار کیا ہوا تھا کہ نہ ادھر کے تھے اور نہ ادھر کے۔

دنیا میں اس انجام بد کے لیے انھوں نے کام کیا۔ آج وہ سب سے نچلے درجے میں ہیں۔ اب یہاں ان کا کوئی یار و مددگار نہیں ہے۔ اہل کفر کے ساتھ دوستی وہ مدد اور نصرت کی خاطر ہی تو کرتے تھے لیکن اب یہ لوگ کہاں مدد کر سکتے ہیں۔

ہاں توبہ کا دروازہ اب بھی کھلا ہے اور ان کے لیے موقع ہے کہ وہ باز آ کر اخروی نجات حاصل کر لیں۔

(آیت) "الا الذین تابوا واصلحو واعتصموا باللہ واخلصوا دینھم للہ فاولئک مع المومنین وسوف یوت اللہ المومنین اجرا عظیما" (۴ : ۱۴۶) البتہ جو ان میں سے تائب ہو جائیں اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لیں اور اللہ کا دامن تھام لیں اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر دیں' ایسے لوگ (مومنوں کے ساتھ ہوں گے اور اللہ عنقریب اہل ایمان کو اجر دیگا

دوسری جگہوں پر صرف اس قدر کہا گیا تھا۔

(آیت) "الا الذین تابوا واصلحو (۴ : ۱۴۶) اس لیے کہ توبہ اور اصلاح پذیری کے ضمن میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑا جائے اور دین اللہ کے لیے خالص ہو جائے۔ لیکن یہاں توبہ' اصلاح اور اعتصام باللہ اور اخلاص دین کا بھی ذکر کیا گیا۔ اس لیے کہ یہاں بات ان لوگوں سے ہو رہی تھی جو مذبذب تھے' منافق تھے' اور اللہ کے سوا اور لوگوں کے دوست تھے۔ چنانچہ یہاں توبہ و اصلاح کے ساتھ خلوص دین اور اعتصام باللہ کا ذکر کیا گیا تاکہ یہ لوگ ڈانوڈول ایمان اور بودے کردار سے باز آ جائیں۔ اس طرح اعتصام باللہ سے انھیں قوت ملے گی اور اخلاص سے انھیں نیت کی صفائی ملے گی۔ وہ دنیا میں بداعمالی کی گراٹوں اور آخرت میں آگ کے درجہ اسفل سے نجات پالیں گے۔ دنیا میں توبہ کرنے والے لوگ مسلمانوں اور صرف اللہ کی درگاہ سے عزت طلب کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو جائیں گے اور وہ دنیا اور زمین کی آلودگیوں سے ایمان کی قوت کے ذریعے پاک و صاف ہو کر بلند ہوں گے۔

اور ایسے لوگوں کی جزاء کیا ہے۔

(آیت) "وسوف یوت اللہ المومنین اجرا عظیما" (۴ : ۱۴۶) (اللہ عنقریب اہل ایمان کو اجر عظیم عطا کرے گا) ان جھلکیوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ اسلامی معاشرے میں منافقین کی حقیقت کو واضح فرماتے ہیں۔ ان کی شان گرتی ہے۔ اہل ایمان کو نفاق کی لغزشوں سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ انجام بد سے ڈرایا جاتا ہے۔ منافقین کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا جاتا ہے تاکہ ان میں سے جس کے اندر شمہ برابر خیر بھی ہو وہ اسلامی صفوں میں شامل ہو جائے' نہایت سچائی اور نہایت اخلاص کے ساتھ۔

اور سب سے آخر میں ایک عجیب جھلکی دکھائی جاتی ہے جس کا اثر نہایت ہی گہرا ہے۔ خوفناک عذاب کے ذکر کے بعد اور عظیم اجر کے اعلان کے بعد تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ بندوں کے عذاب سے غنی ہے۔ اللہ کو ان کے ساتھ کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ انھیں عذاب دے۔ اور نہ اس تعذیب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنی قوت کا اظہار چاہتا ہے۔ نہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے اندر ایسی کوئی خواہش ہے کہ وہ لوگوں کو تکلیف دے جیسا کہ بت پرستانہ تصورات میں ایسی باتیں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ ایمان اور شکر خداوندی کے ذریعے لوگوں کی اصلاح ہو۔ ایمان اور شکر ان کو محبوب ہو اور اللہ وہ ذات ہے جو نیک اعمال کا بدلہ دیتا ہے اور تمام خفیہ باتوں سے واقف ہے۔

(آیت) "مایفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم وامنتم وکان اللہ شاکرا علیما (۴ : ۱۴۷) (آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ سزا دے۔ اگر تم شکر گزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روشن پر چلو۔ اللہ بڑا قدر دان ہے اور سب کے حال سے واقف ہے)

اگر تم شکر گزار بندے بنے رہو تو اللہ کو کیا پڑی ہے کہ وہ تمہیں عذاب دے۔ اللہ تو کفر اور نافرمانی پر سزا دیتا ہے۔ یہ ایسی تہدید ہے جو لوگوں کو ایمان اور شکر پر آمادہ کر سکتی ہے۔ اللہ کو نہ انتقام کا کوئی داعیہ ہے اور نہ تعذیب میں کوئی مزہ آتا ہے۔ نہ اللہ اس طریق کار کے مطابق اپنی قوت اور سلطنت کا اظہار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے بہت ہی بلند ہے' اگر تم ایمان لاؤ اور شکر کرو تو یہ اللہ کے ہاں موجب مغفرت اور رضامندی ہے۔ اللہ کی جانب سے بندوں کا شکریہ۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو دل پر گہرا اثر کرتی ہے۔ یہ معلوم ہے کہ اللہ کی جانب سے شکر کے معنی یہ ہیں کہ اللہ راضی ہے۔ اور رضامندی کا لازمی نتیجہ ثواب دارین ہے۔ لیکن یہ تعبیر کہ اللہ شکر کرتا ہے نہایت ہی گہری اور اشاراتی تعبیر ہے۔

اگر وہ ذات جو خالق ہے' برتر ہے' دونوں جہانوں سے بے نیاز ہے' بندوں کا شکر ادا کرتا ہے اس بات پر کہ یہ بندے نیک ہو گئے ہیں' اچھے مومن ہیں شکر بجالانے والے ہیں اور اللہ کے احسانات کو ماننے والے ہیں۔ حالانکہ وہ غنی بادشاہ ہے اور اس کو بندوں کے شکر' احسان مندی اور صلاح کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر اس جہان کا پیدا کرنے والا' وجود میں لانے والا' برتر اور غنی بادشاہ اگر شکر بجالاتا ہے تو پھر بندوں کا کیا فرض بنتا ہے جو مخلوق بھی ہیں اور ان پر رات دن انعامات کی بارش ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے بندوں کو اپنے خالق کا وفادار ہونا چاہیے۔۔ بیشک یہ ایک نہایت ہی شرمسار کنندہ جھلکی ہے اور بندہ مومن ایک گہرا تاثر لے کر شکر نعمت کے لیے اٹھتا ہے۔ یہ ایک روشن اشارہ ہے جو نشانات منزل متعین کرتا ہے۔ وہ منزل جو اللہ تک جاتی ہے' جو بخشندہ' منعم' شاکر اور علیم ہے۔

یہ ہے قرآن کریم کے تیس پاروں میں سے ایک پارہ۔ اور یہ اپنے دونوں بازوؤں کے نیچے اصلاح نظر ثانی' درستی اور پاکیزگی پر مشتمل ہدایات کا ایک عظیم ذخیرہ لیے ہوئے ہے۔ اس میں عالم نفس کی اصلاح' اسلامی معاشرے کی اصلاح' نظام حیات کی اصلاح اور دوسری تعمیری ہدایات ہیں جو اس کے طول و عرف میں پیوستہ ہیں۔ ان ہدایات کے اندر انسان کو بالکل ایک نیا جنم دیا گیا ہے اور ایک ایسا انسان وجود میں لایا گیا ہے کہ جس کی مثال انسانیت نے نہ پہلے کبھی دیکھی تھی اور نہ بعد میں دیکھی۔ حقیقت پسند مثالی انسان نظافت اور تطہیر میں مثالی۔ ایک ایسا انسان جو زندگی کے مختلف میدانوں میں کام کرتا ہے اور یہ ایک ایسا انسان ہے جسے اسلامی زندگی نے جاہلیت کے گہرے گڑھوں سے نکال کر نہایت ہی عمودی بلندی پر سر بلند کیا اور اعلیٰ ترین بلندیوں پر پہنچا دیا۔ نہایت ہی آسانی کے ساتھ' نہایت ہی نرمی کے ساتھ اور نہایت ہی ہمدردی کے ساتھ۔ (اسلام آباد' ۱۷ دسمبر ۱۹۸۹ء رات ۵۵ : ۱۰)